ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 20 شمارہ 08 مارچ 2023ء - شعبان المعظم 1444ھ

جلد 20 شمارہ 08

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

مارچ 2023ء - شعبان المعظم 1444ھ

بشرفِ دعا
حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ
وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد یونس — مفتی محمد ناصر — مولانا طارق محمود

فی شمارہ............... 50 روپے
سالانہ............... 500 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 400 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

قانونی مشیر
محمد شرجیل جاوید چوہدری
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
0323-5555686

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ وچڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5702840
www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com
www.facebook.com/Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال ....شدت پسندی کا عروج اور اس کا اہم سبب ......مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ آلِ عمران: قسط 36)...اللہ کے ''ولی'' ہونے، اور اللہ پر توکل کا حکم ..// // 6

درسِ حدیث .... برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق (قسط 17)...// // 14

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

اللہ اور رسول کی نظر میں صحابہ کا مقام.......................................مولانا شعیب احمد 19

علم کے مینار: ..... فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف.....مفتی غلام بلال 24

تذکرۂ اولیاء: ....عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی

گورنروں کی تقرری (قسط 2)..مولانا محمد ریحان 29

پیارے بچو! ....حاتم کا سکول میں داخلہ.....................// // 31

بزمِ خواتین ...ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (پہلا حصہ)....مفتی طلحہ مدثر 33

آپ کے دینی مسائل کا حل ....تکفیر بازی ومغالطاتِ

سلفی کا جائزہ (قسط 5)..ادارہ 40

کیا آپ جانتے ہیں؟. ....تکرارِ جنازہ وانتقالِ میت کی

تحقیق (قسط 8)..مفتی محمد رضوان 56

عبرت کدہ ....حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ''سامری'' سے مکالمہ....مولانا طارق محمود 60

طب وصحت.....................''حُلبۃُ'' یعنی میتھی.............حکیم مفتی محمد ناصر 64

اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز.............................// // 66

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

شدت پسندی کا عروج اور اس کا اہم سبب

موجودہ وقت میں ہمارے یہاں غیر معمولی اختلاف وانتشار، اور خلفشار وافتراق کا ایک اہم سبب مذہبی، بلکہ مسلکی شدت وانتہاء پسندی ہے، جس کی مخصوص مذہبی فضاء قائم ہونے کی وجہ سے اب اس کے خلاف لب کشائی کرتے ہوئے، ہمارے مذہبی مقتداؤں کو بھی شرم وعار محسوس ہوتی ہے۔

اس اہم مسئلہ سے پہلو تہی و بے توجہی کی بناپر یہ شدت پسندی اب فکر وخیال اور زبان وقلم کے ذریعہ برسرِ اعلان و برسرِ منبر دوسروں کی عزتیں اور پگڑیاں اچھالنے سے ترقی کر کے ایک دوسرے پر بے جا تشدد کرنے، مرنے مارنے، اور خون ریزی کی حدود تک پہنچ چکی ہے، چنانچہ مسلمانوں کے انفرادی واجتماعی خون سے ہولی کھیلنے والے جذباتی لوگوں کا ایک طبقہ ہمارے درمیان موجود ہے، جو اپنے مخصوص افکار وخیالات سے اختلاف کرنے والے سب لوگوں کو بے ادب، گستاخ اور کافر ومرتد سے کم درجہ دینے اور اس کے نتیجہ میں واجب القتل قرار دینے سے کم پر راضی نہیں۔

بدقسمتی سے شدت پسندی کی یہ سنگین صورتِ حال دوسرے بڑے بڑے ممالک کے مقابلہ میں ہمارے ملک میں زیادہ عروج پر پائی جاتی ہے، اور اس کی بنیاد کوئی دو چار سال پہلے نہیں پڑی، بلکہ سالہا سال سے آہستہ آہستہ، عام طور پر غیر تربیت یافتہ، کم علم اور اسٹیجی نوعیت کے روایتی و پیشہ ور مقررین کی طرف سے، کم علمی، روایتی، اور پیشہ وارانہ اغراض ومقاصد کی خاطر پے در پے ذہن سازی اور جذبات کی پرورش سے پروان چڑھی ہے، جس کا آغاز بڑا خوش کن ہوتا ہے، پہلے بتکلف چکنے چوپڑے دلائل اور مسحور کن اور لچھے دار بیانات اور تحریرات کے ذریعہ اپنے مخصوص افکار وخیالات کی بلندگی و پاکیزگی، اپنے آپ کو مقدس و پاکیزہ اور قابلِ اصلاح نہ سمجھنے اور اپنے مخصوص افکار وخیالات کے مخالفین کو غلط، اور گمراہ سمجھنے سمجھانے، اور پھر ترقی کر کے ان کے بارے میں بے ادب، گستاخ، اور کفر وارتداد کا درس دیتے رہنے سے یہاں تک نوبت پہنچی ہے، اور اب مذہبی ذ

ہن رکھنے والے جذباتی طبقہ کی یہ حالت ہوچکی ہے کہ اسے اپنے مخالفین کے متعلق ''معتدل موقف'' جس کی قرآن وسنت میں نہایت اہتمام کے ساتھ تعلیم دی گئی ہے،اوراس کے بارے میں سینکڑوں واضح اور جلی نصوص موجود ہیں،نہایت پھس پھسا،کمزور،بلکہ مداہنانہ محسوس ہوتا ہے،اوراس کے مقابلہ میں''شدت پسندانہ غیر معتدل موقف'' مضبوط اورشجاعت وبہادری،اورحق گوئی کے موافق معلوم ہوتا ہے،خواہ اس کے خلاف شریعت کے نہایت مضبوط ومستحکم دلائل وبراہین موجود ہوں،کیونکہ پہلے سے مخصوص ذہنیت وتربیت کے نتیجہ میں،اس شدت پسندانہ موقف سے طبیعت بلا دلیل،بلکہ خلافِ دلیل بھی مانوس ہوتی ہے،جس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی،اور اس موقف کے برخلاف قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کو بھی قابلِ اعتناء نہیں سمجھا جاتا،بلکہ اپنے موقف،اوراپنے آپ کوان تعلیمات کا مصداق تک تصور نہیں کیا جاتا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ شدت پسندوانتہاء پسند طبقہ،قرآن وسنت کے مطابق اعتدال کی تعلیم دینے والے مخلصین اورتربیت یافتہ سچے وارثینِ انبیاءاور'' يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ . اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَّهُمْ مُهْتَدُونَ '' کے مصداق حضرات کواپنے راستہ کی رکاوٹ سمجھتا ہے،اوران پر مداہن وغیرہ ہونے کا الزام وبہتان لگا کران کی عزت وآبرو کومٹی میں ملانے اوران کی پگڑیاں اُچھالنے کی کوشش کرتا ہے،بلکہ بعض اوقات تو وارثینِ انبیاء پر تشدد کرتا اوران کی جان پر بھی حملہ آورہوکراپنی آخرت وعاقبت کوتباہ وبرباد کربیٹھتا ہے،جس کے متعلق بے شمارواقعات موجود ہیں۔

ان حالات میں اب اعتدال پسندی کا درس وتعلیم دینے والا طبقہ بھی جذباتی لوگوں کی طرف سے لعنت وملامت،اورشدت پسندوں کی طرف سے حملہ آورہونے کے خوف سے چپ سادھنے میں عافیت محسوس کرتا ہے،بلکہ وہ دوسرے اعتدال کی تعلیم دینے والوں کو بھی ٹھنڈا ہونے کا درس دیتا ہے،اورجس ڈگر پر جذباتی لوگوں کی طرف سے معاملہ چلتا ہے،اس کو برداشت کرنے پر اکتفاء کرتا ہے،اوراس کے نتیجہ میں شدت پسندی میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے،اورشدت پسند طبقہ کی اصلاح کا معاملہ کھٹائی میں پڑجاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ حدودُ اللہ کو پامال کرنے پر جب شدت پسند طبقہ کی آخرت میں عنداللہ بازپرس ہوگی،تو وہ یہی عذر بیان کرے گا کہ اس کے سامنے دین کا یہی تصور آیا تھا،جس کی تحقیق نہ کرنے کی کوتاہی

www.idaraghufran.org

پر اس شدت پسند طبقہ سے مواخذہ ہوگا، اور اس کو شدت پسندی کی تعلیم دینے اور بالخصوص اپنے پیشہ کی خاطر دھوکہ دہی کا مرتکب مقتداؤں کا طبقہ بھی مجرم شمار ہوگا، اسی کے ساتھ اعتدال کی تعلیم نہ دینے، اور سکوت اختیار کرنے والا مقتداؤں کا طبقہ بھی مسئول ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالْأَمِيْرُ رَاعٍ (صحيح البخارى،عن ابنِ عمر، رقم الحديث ٥٢٠٠)

’’تم سب نگران و ذمہ دار ہو، اور تم سب سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور امیر بھی ذمہ دار ہے‘‘

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ أَحَفِظَ أَمْ ضَيَّعَ (صحيح ابنِ حبان،عن انس،رقم الحديث ٤٤٩٢) [1]

’’بے شک اللہ ہر نگران و ذمہ دار سے اس کی نگرانی و ماتحتی کے معاملات میں سوال کرے گا کہ اس نے ان کی حفاظت کی، یا ضائع کیا‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ:

أَيُّمَا رَاعٍ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً، فَغَشَّهَا، فَهُوَ فِي النَّارِ (مسند احمد،عن معقل بن يسار،رقم الحديث ٢٠٢٨٠) [2]

’’جس نگران و ذمہ دار کو کوئی رعیت عطاء کی گئی، پھر اس نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا، تو وہ آگ میں جائے گا‘‘

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ہر قسم کی شدت پسندی سے محفوظ رکھے، اور شریعت کی معتدل تعلیمات پر عمل پیرا ہونے، اور جذبات کا نفس وشیطان، اور اپنی طبیعت کے تقاضہ کے بجائے، عقل وشریعت اور اپنی رضا کے مطابق استعمال کرنے اور اصحابِ علم اور وارثینِ انبیاء کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے اور نبھانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

---

[1] قال شعيب الارنووط:إسناده صحيح على شرطهما(حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] قال شعيب الارنووط:حديث صحيح، وهذا إسناد قوى(حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط36،آیت نمبر121،122)   مفتی محمد رضوان

اللہ کے ''ولی'' ہونے، اور اللہ پر توکل کا حکم

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (121)اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ(122)(سورۃ آل عمران،رقم الآیات ۱۲۱، ۱۲۲)

ترجمہ: اور جب آپ نکلے صبح کے وقت اپنے گھر والوں سے، ٹھکانا دے رہے تھے آپ مؤمنوں کو بیٹھنے کی جگہوں میں قتال کے لیے، اور اللہ ''سمیع'' ہے ''علیم'' ہے (121)جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے، یہ کہ پھسل جائیں وہ، دونوں (جماعتیں) اور اللہ ولی ہے، ان دونوں (جماعتوں) کا، اور اللہ پر ہی چاہیے کہ پس توکل کریں مومن(122)(سورہ آلِ عمران)

تفسیر وتشریح

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات ''بنوسلمہ'' اور بنوحارثہ'' قبیلوں کے بارے میں ''غزوۂ اُحد'' کے موقع پر نازل ہوئیں، جب انہوں نے غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی فتح کو دیکھتے ہوئے، اس ٹھکانے کو چھوڑ دیا، جس پر ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

نَزَلَتْ ھٰذِهِ الآيَةُ فِينَا "إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا "بَنِي سَلِمَةَ، وَبَنِي حَارِثَةَ، وَمَا أُحِبُّ أَنَّهَا لَمْ تَنْزِلْ، وَاللَّهُ يَقُولُ"وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا" (صحیح البخاری،رقم الحدیث ۴۰۵۱)

ترجمہ: یہ آیت ''اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا'' بنی سلمہ، اور بنی حارثہ کے متعلق نازل ہوئی، اور مجھے اس کا نازل نہ ہونا پسند نہیں (یعنی مجھے اس کا نازل ہونا پسند

ہے) کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ ’’وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا‘‘ (بخاری)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّجَّالَةِ يَوْمَ أُحُدٍ، وَكَانُوا خَمْسِينَ رَجُلًا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جُبَيْرٍ، فَقَالَ: إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ، هٰذَا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ، وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا هَزَمْنَا الْقَوْمَ وَأَوْطَأْنَاهُمْ، فَلَا تَبْرَحُوا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ، فَهَزَمُوهُمْ، قَالَ: فَأَنَا وَاللّٰهِ رَأَيْتُ النِّسَاءَ يَشْتَدِدْنَ، قَدْ بَدَتْ خَلَاخِلُهُنَّ وَأَسْوُقُهُنَّ، رَافِعَاتٍ ثِيَابَهُنَّ، فَقَالَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُبَيْرٍ: اَلْغَنِيمَةَ أَيْ قَوْمِ الْغَنِيمَةَ، ظَهَرَ أَصْحَابُكُمْ فَمَا تَنْتَظِرُونَ؟

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جُبَيْرٍ: أَنَسِيتُمْ مَا قَالَ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالُوا: وَاللّٰهِ لَنَأْتِيَنَّ النَّاسَ، فَلَنُصِيبَنَّ مِنَ الْغَنِيمَةِ، فَلَمَّا أَتَوْهُمْ صُرِفَتْ وُجُوهُهُمْ، فَأَقْبَلُوا مُنْهَزِمِينَ، فَذَاكَ إِذْ يَدْعُوهُمُ الرَّسُولُ فِي أُخْرَاهُمْ، فَلَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا، فَأَصَابُوا مِنَّا سَبْعِينَ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ أَصَابُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ بَدْرٍ أَرْبَعِينَ وَمِائَةً، سَبْعِينَ أَسِيرًا وَسَبْعِينَ قَتِيلًا.

فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ: أَفِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجِيبُوهُ، ثُمَّ قَالَ: أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ؟ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قَالَ: أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ؟ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى أَصْحَابِهٖ فَقَالَ: أَمَّا هٰؤُلَاءِ، فَقَدْ قُتِلُوا، فَمَا مَلَكَ عُمَرُ نَفْسَهُ، فَقَالَ: كَذَبْتَ وَاللّٰهِ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ، إِنَّ الَّذِينَ عَدَدْتَ لَأَحْيَاءٌ كُلُّهُمْ، وَقَدْ بَقِيَ لَكَ مَا يَسُوءُكَ، قَالَ: يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ، وَالْحَرْبُ سِجَالٌ، إِنَّكُمْ سَتَجِدُونَ فِي الْقَوْمِ مُثْلَةً، لَمْ آمُرْ بِهَا وَلَمْ تَسُؤْنِي، ثُمَّ أَخَذَ يَرْتَجِزُ: أُعْلُ هُبَلُ، أُعْلُ هُبَلُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا تُجِيبُوا لَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا نَقُولُ؟ قَالَ: قُولُوا: اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ، قَالَ: إِنَّ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ، فَقَالَ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلَا تُجِیْبُوْا لَہُ؟ قَالَ: قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، مَا نَقُوْلُ؟ قَالَ: قُوْلُوْا اَللّٰہُ مَوْلَانَا، وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ (بخاری، رقم الحدیث ۳۰۳۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن پچاس پیدل لوگوں پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر کے فرمایا کہ اگر تم ہم کو اس حالت میں دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت کھا رہے ہیں، تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، جب تک کہ میں تم سے کہلا نہ بھیجوں، اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے کافروں کو بھگا دیا ہے، اور ان کو روند دیا ہے، تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، جب تک کہ میں تم کو کہلا نہ بھیجوں، بالآخر مسلمانوں نے کفار کو شکست دے دی، حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ اللہ کی قسم! وہ بھاگ رہی تھیں اور ان کے زیور (بھاگنے دوڑنے سے) بج رہے تھے اور ان کی پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں، اور وہ اپنے کپڑے اٹھائے ہوئے تھیں کہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا کہ لوگو! مالِ غنیمت! مالِ غنیمت! تمہارے ساتھی تو غالب آ گئے، اب تم کیا دیکھ رہے ہو؟ (اب مالِ غنیمت حاصل کرو) اس پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگو! کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھلا دیا (کہ جب تک میں حکم نہ بھیجوں، اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹنا) تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو کافروں کے پاس جا کر ان کا مالِ غنیمت حاصل کریں گے، چنانچہ یہ لوگ وہاں پہنچے، تو ان کا رخ بدل گیا، اور کفار بھاگتے ہوئے سامنے کی طرف آ گئے، اور پھر سے جنگ شروع ہوگئی، اور مسلمان شکست خوردہ ہو گئے، اور یہی مطلب ہے اللہ کے رسول کے اس ارشاد کا ''جب رسول ان کو ان کے پیچھے سے بلا رہے تھے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے بارہ آدمیوں کے اور کوئی باقی نہ رہا، اور ہمارے ستر آدمی شہید ہو گئے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ایک سو چالیس مشرکوں کو بدر کے دن میں قتل کیا تھا، جس میں ستر قتل ہوئے تھے، اور ستر قیدی ہوئے تھے۔

تو ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا کہ کیا ان لوگوں میں محمد ہیں؟ جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے اصحاب کو اس کا جواب دینے سے منع کردیا، پھر ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا کہ کیا ان لوگوں میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) ہیں؟ اور پھر تین مرتبہ کہا کہ کیا ان لوگوں میں عمر بن خطاب ہیں؟ اور پھر اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ یہ تو سب مارے گئے، جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو نہ روک سکے، اور کہا کہ تو نے جھوٹ کہا کہ اے اللہ کے دشمن، اللہ کی قسم! جن لوگوں کا تو نے نام لیا ہے، وہ سب زندہ ہیں، اور جس بات کا تجھے غم ہے، وہ برقرار ہے، ابوسفیان نے کہا کہ آج بدر کے دن کا بدلہ ہوگیا، اور لڑائی تو ڈول کی طرح ہے، تم اپنے لوگوں میں سے بعض کے ناک کان کٹے پاؤ گے، جس کا میں نے کوئی حکم نہیں دیا، اور یہ بات مجھے ناگوار بھی معلوم نہیں ہوئی، اس کے بعد ابوسفیان رجز یہ اشعار پڑھنے لگا کہ اے ہبل بت! بلند ہوجا، اے ہبل بت! بلند ہوجا، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جواب میں یہ کہو کہ اللہ ہی سب سے زیادہ بلند اور بزرگ موجود ہے، جس پر ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے پاس عزیٰ نامی بت ہے اور تمہارے لیے عزیٰ نہیں ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جواب میں یہ کہو کہ اللہ ہمارا ''مولیٰ'' ہے اور تمہارا کوئی ''مولیٰ'' نہیں (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا ''ولی'' اور ''مولیٰ'' اللہ ہے، اور کافروں کا کوئی ''مولیٰ'' نہیں، یہی مطلب ہے ''وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا'' کا، جیسا کہ قرآن مجید کی کئی آیات میں آگے آتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی سے مسلمانوں کو وقتی طور پر ہزیمت ہوئی۔

مسلمانوں کی جمعیت اور امیر کی اطاعت سے خروج، اور باہمی تنازعہ ایسا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، اور ثابت قدمی باقی نہیں رہتی۔

چنانچہ سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سورة الانفال، رقم الآية ٤٦)

ترجمہ: اور اطاعت کرو تم اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور آپس میں نزاع نہ کرو، پس پھسل جاؤ گے تم، اور چلی جائے گی تمہارا ہوا، اور صبر کرو تم، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (سورہ انفال)

سورہ آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت میں ''مقاعد'' سے مراد وہ ٹھکانے اور مقامات ہیں، جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں مختلف صحابہ کو مقرر فرمایا تھا۔

''مقاعد'' کے الفاظ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔

چنانچہ سورہ جن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (سورة الجن ،رقم الآية ٩)

ترجمہ: اور یہ کہ (اس سے پہلے) ہم آسمان کے بعض ٹھکانوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے (وہاں کی خبروں کے بارے میں) کچھ سن گن لینے کے لیے، مگر اب (یہ حال ہے کہ) جو بھی کوئی سننے کے لیے کان دھرتا ہے، تو وہ پاتا ہے اپنے لیے، ایک شعلہ گھات میں لگا ہوا (سورہ جن)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ان دونوں جماعتوں کا اپنے آپ کو ''ولی'' فرمایا ہے۔

اور پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ ''ولی'' کے معنیٰ محبت اور مدد کرنے والے کے آتے ہیں، جس کی جمع ''اولیاء'' آتی ہے، مخلص دوست بھی چونکہ اپنے دوست سے محبت رکھتا اور اس کی مدد ونصرت اور حمایت کرتا ہے، اس لیے ''ولی'' کے معنیٰ دوست کے اور مدد ونصرت کرنے اور حمایت کرنے والے کے بھی کردیئے جاتے ہیں، اور اسی لفظ سے ''مولیٰ'' بھی ماخوذ ہے۔

اللہ کے مومنوں اور متقیوں کے ''ولی'' ہونے کا ذکر قرآن مجید کی کئی آیات میں آیا ہے، بلکہ ''الولی'' اللہ کی صفت بھی ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا (سورة البقرة رقم الآية ٢٥٧)

ترجمہ: اللہ، ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے (سورہ بقرہ)

اور سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة آلِ عمران رقم الآية ٦٨)

ترجمہ: اللہ ولی ہے مومنوں کا (سورہ آلِ عمران)

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ . وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (سورة المائدة، رقم الآيات ٥٥، ٥٦)

ترجمہ: بس تمہارا ولی، اللہ ہے، اور اس کا رسول ہے، اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو قائم کرتے ہیں نماز، اور ادا کرتے ہیں زکاۃ کو، اور وہ رکوع کرتے ہیں، اور جو ''ولی'' رکھے گا اللہ کو اور اس کے رسول کو، اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے (سورہ مائدہ)

اور سورہ جاثیہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ (سورة الجاثية، رقم الآية ١٩)

ترجمہ: اور بے شک ظالم لوگ، ان کے بعض، بعض کے اولیاء ہیں، اور اللہ متقیوں کا ولی ہے (سورہ جاثیہ)

اور سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورة الشورىٰ، رقم الآية ٩)

ترجمہ: کیا بنا لیا انہوں نے اللہ کے علاوہ کو ''اولیاء'' پس اللہ ہی ''ولی'' ہے، اور وہی زندہ کرتا ہے مردہ کو، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ شوریٰ)

سورہ شوریٰ میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (سورة الشورىٰ،رقم الآية ٢٨)

ترجمہ: اور وہی (اللہ) ولی ہے، اور حمید ہے (سورہ شوریٰ)

سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَأَنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (سورة محمد، رقم الآية ١١)

ترجمہ: یہ اس لیے کہ اللہ ان کا ولی ہے، جو ایمان لائے، اور کفار کا کوئی ولی نہیں (سورہ محمد)

سورہ آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت کے آخر میں مومنوں کو اللہ پر توکل کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

اللہ پر توکل، یعنی بھروسہ بہت عظیم عمل ہے، جس کا قرآن مجید میں کئی مقامات پر ذکر آیا ہے۔

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد آتا ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ١٦٠)

ترجمہ: اور اللہ پر توکل کرنا چاہیے مؤمنوں کو (سورہ آلِ عمران)

اور سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ١١)

ترجمہ: اور اللہ پر توکل کرنا چاہیے مؤمنوں کو (سورہ مائدہ)

اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورة التوبة، رقم الآية ٥١)

ترجمہ: اور اللہ پر توکل کرنا چاہیے مؤمنوں کو (سورہ توبہ)

اور سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورة ابراهيم، رقم الآية ١١)

ترجمہ: اور اللہ پر توکل کرنا چاہیے مؤمنوں کو (سورہ ابراہیم)

اور سورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورة المجادلة، رقم الآية ١٠)

ترجمہ:اوراللہ پرتوکل کرنا چاہیےمؤمنوں کو(سورہ مجادلہ)

اورسورہ تغابن میں اللہ تعالیٰ کاارشادہےکہ:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ(سورة التغابن،رقم الآية ١٣)

ترجمہ:اللہ(وہ ہےکہ)نہیں کوئی معبود،مگروہی،اوراللہ پرتوکل کرنا چاہیےمؤمنوں کو (سورہ مومنون)

اورسورہ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کاارشادہےکہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ(سورة ابراهيم،رقم الآية ١٢)

ترجمہ:اوراللہ پرتوکل کرنا چاہیے،توکل کرنے والوں کو(سورہ ابراہیم)

اورسورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ کاارشادہےکہ:

وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ(سورة يوسف،رقم الآية ٦٧)

ترجمہ:اوراسی(اللہ)پرتوکل کرنا چاہیے،توکل کرنے والوں کو(سورہ یوسف)

www.idaraghufran.org

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

برزخ وقبر کی حیات،اور جسم وروح کا تعلق (قسط17)

نعمان بن محمود آلوسی کا دوسرا حوالہ

نعمان بن محمود آلوسی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

انبیاءعلیہم السلام کی حیات کا قول،صحیح احادیث سے ثابت ہے،لہٰذا ہم انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات کا عقیدہ رکھتے ہیں، جو کہ حیاتِ برزخی ہے،شہیدوں کی حیات سے اعلیٰ ہے،اور بلاشبہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے قریب ایک فرشتے کو مقرر کردیا گیا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کے قریب اوردور سے سلام پڑھنے والے مسلمانوں کے سلام کو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتا ہے۔

اورہم یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ انبیاءعلیہم السلام،سب کے سب تر وتازہ ہیں،جن کے اجسامِ شریفہ کو زمین نہیں کھاتی،اس سلسلے میں احادیث وارد ہوئی ہیں،جن میں سے ایک حدیث حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ''تمہارے سب دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے،اسی دن حضرت آدم کو پیدا کیا گیا،اوراسی دن اِن کی روح قبض کی گئی،اوراسی دن (قیامت سے پہلے) صور پھونکا جائے گا،اوراسی دن قیامت قائم ہوگی،پس تم اس دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو،اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے،لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا،جبکہ آپ کا جسم مبارک (وصال کے بعد) بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے،تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کردیا ہے''اس کو ابنِ حبان وغیرہ

نے روایت کیا ہے۔

لیکن ہم انبیائے کرام علیہم السلام سے کوئی چیز طلب کرنے سے منع کرتے ہیں، پس ان کی وفات کے بعد، لوگ ان سے کسی چیز کا سوال نہیں کریں گے، جیسا کہ گزر چکا ہے، خواہ لفظِ ''استغاثه'' سے ہو، یا لفظِ'' توجه'' سے ہو، یا لفظِ'' استشفاع'' سے ہو، یا اس کے علاوہ سے ہو۔ پس یہ تمام الفاظ ''الوهيت'' کے وظائف میں سے ہیں، لہٰذا ان کو ایسی ہستی کے لیے کرنا زیب نہیں، جو ''عبدیت'' کے ساتھ متصف ہو۔ [1]

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات، جب روایت سے ثابت ہے، جس کو ابویعلیٰ اور بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''انبیاء اپنی قبروں میں حیات ہیں، نماز پڑھتے ہیں'' اور یہ ''حیاتِ حقیقی'' ہے، جیسا کہ الفاظ کو اپنے حقائق پر محمول کرنا اصل ہے، اور ہمارے سامنے اس کے جواز کا قرینہ ثابت نہیں، لہٰذا اس کو ''حیاتِ حقیقی'' پر محمول کرنا مناسب ہے، تو ہم اس کو یہ کہہ کر جواب دیں گے کہ بلا شبہ اس سے ''حیاتِ حقیقی'' مراد نہیں ہے، اور اگر اس سے ''حیاتِ حقیقی'' کو مراد لیا جائے، تو پھر یہ ''حیاتِ حقیقی'' کے تمام لوازمات کا تقاضا کرے گی، مثلاً اعمال اور مکلّف ہونے کا، اور عبادت کرنے کا، اور بولنے وغیرہ کا، اور اس دنیوی حیات کی حقیقت، اس کے لوازمات کے منتفی ہونے، اور اس دنیوی حقیقی حیات سے اس برزخی حیات کی طرف منتقل ہونے کے حاصل ہونے سے، منتفی ہوجائے گی، جس کو موت کے ذریعے ''انتقال'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ حالت

---

[1] ملحوظ رہے کہ اس طرح کے الفاظ میں اختلاف ہے، بعض ان کے جواز کے قائل ہیں، جبکہ الوہیت کے طور پر نہ ہو۔
علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ انبیاء اور اولیاء اگرچہ اپنی قبور میں زندہ ہوں، اور وہ زندوں کے لیے اللہ سے دعاء کرنے پر قدرت رکھتے ہوں، تب بھی ان سے دعاء کی درخواست کرنا، شرک کا ذریعہ ہے، اس لیے ان سے دعاء کی درخوست کرنے سے بچنا چاہیے، جیسا کہ گزرا۔
اور اس قسم کے مسائل میں اصحابِ علم کا اختلاف، اجتہادی نوعیت کا ہوتا ہے، جن میں دلائل کی رُو سے کسی ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے میں تو حرج نہیں، لیکن اس کو حق و باطل کا اختلاف بنالینا، اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف ضلالت و بدعت اور کفر و شرک وغیرہ کی نسبت کرنا، درست طریقہ نہیں، اور ہم یہ آگے مستقل باب میں تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں کہ فقہی احکام کے علاوہ بعض فکری، اعتقادی اور نظریاتی اختلافات بھی، اجتہادی، یا فروعی نوعیت کے ہیں۔
لہٰذا جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ جملہ اعتقادی مسائل ''اجتہادی'' نہیں ہو سکتے، ان کی بات سے ہمیں اتفاق نہیں۔ محمد رضوان۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آ چکی ہے، جن پر ہماری روح فدا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ زمر میں) ارشاد ہے کہ''إنک میت وإنھم میتون ''اوراللہ عزوجل کا (سورہ آلِ عمران میں) ارشاد ہے کہ''وما محمد إلا رسول قد خلت من قبلہ الرسل أفإن مات او قتل انقلبتم علی أعقابکم''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس موت کے طاری ہونے کا، کسی کے لیے انکار کرنا ممکن نہیں۔اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور وہ مدت سے غائب تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جانے کی اجازت دی تھی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے مبارک ومشرف چہرے سے کپڑا ہٹا کر عرض کیا کہ میری روح آپ پر فداء ہو، آپ نے پاکیزہ زندگی گزاری، اور آپ کی پاکیزہ حالت میں موت واقع ہوئی۔اور حضرت سالم کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مذکورہ دو آیتوں کی تلاوت کی، اور منبر پر تشریف لے گئے، اور اپنے خطبہ میں فرمایا کہ''اے لوگو! جو شخص''محمد'' کی عبادت کیا کرتا تھا، تو''محمد'' کی تو موت واقع ہوگئی، اور جو''اللہ'' کی عبادت کیا کرتا تھا، تو بے شک''اللہ'' زندہ ہے، اس کو موت واقع نہیں ہوگی، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت ہی کو تلاوت فرمایا، تب لوگوں کے ہوش وحواس بحال ہوئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! گویا کہ میں نے اس آیت کو کبھی تلاوت ہی نہیں کیا''

اور جب مذکورہ امور کی وجہ سے''حیاتِ حقیقی'' کی نفی ہوگئی، تو''حیاتِ برزخی'' ثابت ہوگئی۔اور''حیاتِ برزخی'' کے درجات مختلف ہیں، چنانچہ شہیدوں کی حیات، مومنوں کی حیات سے اعلیٰ ہے، اور انبیائے علیہم السلام کی حیات، اُن شہیدوں کی حیات سے بھی اعلیٰ ہے، جن کو اللہ سبحانہٗ نے اپنے پاس مبارک حیات سے مشرف فرمایا، چنانچہ اللہ عزوجل کا ان شہیدوں کے متعلق (سورہ آلِ عمران میں) ارشاد ہے، جن کا درجہ انبیاء سے کم ہے کہ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ أمواتاً بل أحیاء عند ربھم یرزقون ''اور اگر آپ یہ شبہ کریں کہ گزشتہ حدیث میں تو یہ بات ثابت

ہوچکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نماز پڑھتے ہیں، امام احمد اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’میں اس رات میں، جس رات میں مجھے سیر کرائی گئی، موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، جو اپنے قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے، اور ایک روایت میں ’’کثیبِ احمر ‘‘ کے قریب کا ذکر ہے‘‘ تو اس کا جواب کیا ہوگا؟ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ’’صلاۃ‘‘ سے لغوی معنیٰ مراد ہیں، یعنی وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعاء اور اس کی ثناء اور اس کا ذکر کر رہے تھے، اور قرطبی نے فرمایا کہ اس سے شرعی نماز مراد ہے، ظاہرِ حدیث کی وجہ سے، لیکن یہ نماز، مکلّف ہونے کے حکم کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ انبیائے کرام کے اکرام اور اُن کی شرافت کے حکم کی وجہ سے تھی۔ اور اس بات کے درمیان، اور موسیٰ علیہ السلام کو اس رات چھٹے آسمان کے درمیان، دیکھنے میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مختلف مقامات ودرجات ہیں، وہ ان میں جہاں چاہیں، آ جاسکتے ہیں، پھر وہ اپنی قبروں کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔ یا یہ وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بدن سے ان کی ارواح، جدا ہونے کے بعد رفیقِ اعلیٰ میں ہوتی ہیں، لیکن ان کا بدن سے خاص قسم کا لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے، اور وہ عالمِ برزخ میں نقل وحرکت کرنے پر قادر ہوتے ہیں، اس طور پر کہ مسلمان کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اسی تعلق کی وجہ سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) قبر میں بھی دیکھا، اور ان کو چھٹے آسمان پر بھی دیکھا۔ لہٰذا یہ بات لازم نہیں آتی کہ موسیٰ علیہ السلام کو، اس رات میں ان کی قبر سے اوپر لے جایا گیا ہو، پھر قبر کی طرف لوٹایا گیا ہو، بلکہ آسمان پر اُن کی روح اور اُس کے ٹھہرنے کا مقام تھا، ارواح کو اجسام کی طرف لوٹانے (یعنی قیامت) کے دن تک، جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا مقام ’’رفیقِ اعلیٰ‘‘ میں ہے، اور آپ کا پاکیزہ بدن، آپ کے روضۂ مبارک میں ہے، جہاں سے آپ سلام کرنے والے کا جواب دیتے ہیں۔

---

[1] اور ضروری نہیں کہ آسمان پر کسی کو متشکل طور پر دیکھنے کے لیے عالمِ سفلی والا مادی جسم ضروری ہو، واللّٰہ علیٰ کل شئ قدیر، ویفعل ما یشاء۔ محمد رضوان

اور جس کی طبیعت میں اس بات کو سمجھنے سے اکھڑ پنا ہو، تو اس کو آسمان (اور سیاروں) کی بلندگی اوران کے معلق ہونے، اوران کی زمین میں تاثیر کی طرف دیکھنا چاہیے (کہ آسمان، بلکہ اس کے نیچے قدرتی سیارے، خلاء اور فضاء میں موجود ہوکر زمین کے لیے سیٹلائیٹ کا کام کرتے ہیں، اور دوسرے اہم اثرات بھی زمین پر مرتب کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں) اور اسی طرح نباتات اور حیوانات کی زندگی اور حیات میں بھی غور کرنا چاہیے، اور آگ کو بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ دور دراز کے جسم پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے (اور بجلی کے کرنٹ اور آسمانی بجلی اور روشنی پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح آناً فاناً ایک جگہ سے دوسری جگہ اثر انداز ہوتی ہے، اور زمین پر آنے والے زلزلہ کو دیکھنا چاہیے کہ مرکز کہیں ہوتا ہے، اوراس کے اثرات دور دراز تک پہنچتے ہیں) حالانکہ روح اور بدن کے درمیان کا تعلق زیادہ قوی اور زیادہ اَتَم ہے۔ اور برزخ والوں کی نعمت اوران کی ہولناکیوں کے احوال اوران سے متعلق اقوال، بہت تفصیلی ہیں، جوایک عظیم سلسلہ ہے، اور ایسی حالت ہے، جس کو قبول کرنا واجب ہے، جن کی تفصیل مخصوص کتابوں میں بیان کی گئی ہے، جہاں منصوص دلائل کے ذریعے سے ان باتوں کو ثابت کیا گیا ہے۔

(جلاء العینین فی محاکمۃ الأحمدین، ج ۱، ص ۵۲۸، الیٰ ص ۵۳۱، الحیاۃ البرزخیۃ)

مقالات ومضامین

مولانا شعیب احمد

اللہ اور رسول کی نظر میں صحابہ کا مقام

انبیائے کرام کے بعد کائنات میں بہترین جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی گزری ہے۔ یہ جماعت انبیاء کے بعد کائنات کی مقدس ترین جماعت تھی۔ صحابہ سب کے سب عادل اور امانت دار تھے۔ یہ ایک ایسی جماعت تھی کہ جسے اللہ اور رسول نے مختلف مقامات پر مقبولیت ومحبوبیت اور مغفرت کی سندیں عطا فرمائی ہیں۔ ذیل میں صحابہ کے متعلق چند قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیے۔

"مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ" (سورة الفتح، رقم الآية: ۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت بھاری اور آپس میں بہت رحمدل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کبھی رکوع کرتے ہوئے، کبھی سجدہ کرتے ہوئے، وہ (ہر لمحہ) اللہ کے فضل اور رضا کے متلاشی رہتے ہیں۔ اُن (کے ایمان و عبادت) کی نشانیاں سجدے کے اثر کی وجہ سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں" (فتح)

"وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ" (سورة الأنفال، رقم الآية: ۷۴)

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا (یعنی مہاجرین) اور وہ لوگ جنہوں نے اُنہیں پناہ دی اور اُن کی مدد کی (یعنی انصار) یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ اُن کے لیے مغفرت اور عمدہ روزی ہے" (انفال)

"وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ" (سورة التوبة، رقم الآية: ۱۰۰)

”اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے پہل سبقت کرنے والے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، اور اللہ نے اُن کے لیے ایسے باغات تیار کررکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے“(توبہ)

”لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ“(سورۃ الفتح، رقم الآیۃ: ۱۸)

”یقیناً اللہ راضی ہوگیا ایمان والوں سے جب وہ (مقامِ حدیبیہ پر) درخت کے نیچے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے“(فتح)

”لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى“ (سورۃ الحدید، رقم الآیۃ: ۱۰)

”تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ زیادہ بلند ہے اُن سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔ تاہم اللہ نے (ان) سب کے ساتھ بھلائی کا وعدہ کرلیا“(حدید)

یہ تمام آیاتِ کریمہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئیں اور ان آیات میں انہیں خدا کی طرف سے عبادت گزار، سچا مومن اور کامیاب انسان ہونے کی سند دی گئی اور خدا کی رضا اور حصولِ جنت کا پروانہ سنایا گیا ہے۔ اسی طرح کئی احادیثِ مبارکہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان بیان کی گئی ہے۔ ذیل میں ایسی چند احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو امت کے لیے امان یعنی محافظ قرار دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے ایک طویل روایت بیان کرتے ہیں کہ:

”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر ہم نے کہا کہ اگر ہم یہیں بیٹھے رہیں یہاں تک کہ ہم آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں، پس ہم بیٹھے رہے۔ پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام باہر تشریف لائے تو آپ نے پوچھا کیا تم لوگ ابھی تک یہیں ہو؟ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم

نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے سوچا کہ ہم بیٹھے رہیں تا کہ عشاء کی نماز بھی آپ کے ساتھ پڑھ لیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اچھا کیا یا آپ نے فرمایا تم نے درست کیا۔ پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ بہت کثرت سے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ پس آپ نے فرمایا کہ ستارے آسمان کے لیے امان ہیں، جب ستارے چلے جائیں گے تو پھر آسمان پر وہی (یعنی قیامت) آجائے گی جس کا وعدہ کیا گیا، اور میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں۔ پھر جب میں (عالمِ دنیا سے) چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ فتنے آئیں گے جن سے ڈرایا گیا ہے، اور اس وقت میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہوں گے۔ پھر جب میرے صحابہ بھی چلے جائیں گے تو امت پر وہ فتنے آ پڑیں گے کہ جن سے ڈرایا جاتا ہے (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۷''۲۵۳۱''، کتاب فضائل الصحابۃ)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور اور صحابہ کے زمانہ کو بہترین زمانہ قرار دیا۔ فرمانِ نبوی ہے:

''بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ جو اُن سے متصل ہوں اور پھر وہ لوگ جو اُن سے متصل ہوں'' (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۶۵۱، کتاب اصحاب النبی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اپنے صحابہ کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فرمایا:

''میرے صحابہ کا احترام کرو۔ پھر اُن لوگوں کا جو اُن سے متصل ہوں اور پھر اُن لوگوں کا جو اُن سے متصل ہوں'' (مسند ابوداؤد طیالسی، حدیث نمبر: ۳۱) [1]

قرآن وسنت کی ان نصوص سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عظمت اور اُن کے بلند مقام و مرتبہ کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا — ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

قرآن وسنت کی یہ نصوص ایک مسلمان سے تقاضا کرتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ادب واحترام کیا جائے، ان کی عقیدت اپنے دلوں میں بٹھائی جائے، ان کے نقشِ قدم پر چلا جائے،

[1] ''رواہ أبو داود الطیالسی والحارث وأبو یعلی بسند صحیح ولفظهم واحد'' (إتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة، ج: ۷ ص: ۳۳۵، باب ما جاء فیمن صحب النبی)

www.idaraghufran.org

انہیں مغفور سمجھا جائے اور اُن کی بے ادبی و گستاخی سے اپنی عاقبت خراب نہ کی جائے۔اگر چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بعض وجوہات کی بناء پر کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا آپس میں اختلاف ہوا اور بعض مواقع پر آپس میں جنگ کی بھی نوبت آئی۔لیکن اس بناء پر کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُن مقدس ہستیوں کے بارے میں لب کشائی کرے یا اپنی عدالت لگا کر اُن پاکیزہ نفوس کے حق و باطل پر ہونے کے فیصلے کرنا شروع کردے۔اس باب میں سلف صالحین کا طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ وہ عموماً اس موضوع پر بحث مباحثہ سے گریز کیا کرتے تھے اور یہی حدیث کی تعلیم بھی ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے کہ:

"إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا"(المعجم الكبير للطبراني ، رقم الحديث : ١٠٤٤٨) [1]

’’جب میرے اصحاب(کے باہمی اختلافات وغیرہ)کا ذکر چھڑے تو تم(کوئی نامناسب بات کہنے سے)رُک جاؤ‘‘(طبرانی)

پس اس حوالے سے ایک مسلمان کے لیے سلامتی اور عافیت کی راہ یہی ہے کہ اپنی زبانوں کو ان مقدس حضرات پر تنقید کر کے آلودہ نہ کرے۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تاریخی نہیں بلکہ قرآنی شخصیات ہیں۔لیکن بعض نادان اور احمق لوگ صرف تاریخ کا آئینہ لے کر صحابہ کو جانچنا شروع کر دیتے ہیں۔حالانکہ اس باب میں قرآن کی یہ گواہی ایک مسلمان کے لیے کافی ہونی چاہیے کہ:

"أُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا"(سورة الأنفال ، رقم الآية : ٧٤)

ترجمہ:’’یہی لوگ(یعنی صحابۂ کرام)سچے مومن ہیں‘‘(أنفال)

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو کئی صحابۂ کرام سے بغض وعناد اور نفرت رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً زبان سے بھی اس کا اظہار کرتا رہتا ہے۔یہ گروہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کھلی خلاف ورزی کرتا ہے:

’’میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو،میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو۔قسم ہے اس ذات کی جس

[1] قال الهيثمي : رواه الطبراني، وفيه مسهر بن عبد الملك، وثقه ابن حبان وغيره وفيه خلاف، وبقية رجاله رجال الصحيح"(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، رقم الحديث : ١١٨٥١ ، كتاب القدر ، باب ما جاء فيمن يكذب بالقدر)

کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کر دے تو وہ صحابہ کے ایک مُد خیرات کرنے تک بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی صحابہ کے آدھے مُد صدقہ کرنے کے برابر پہنچ سکتا ہے“ (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۲۱ ”۲۵۴۰“ کتاب فضائل الصحابۃ)

اسی سے ملتی جلتی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ:

”میرے صحابہ میں سے کسی ایک کو بھی برا بھلا مت کہو“ (مسلم، حدیث نمبر:۲۲۱ ”۲۵۴۱“)

لیکن افسوس ہے کہ مذکورہ بالا طبقہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور سمجھنے کے باوجود ان احادیثِ مبارکہ پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور صحابہ پر طعن و تشنیع سے باز نہیں آتا جو کہ کھلا فسق اور قابلِ لعنت فعل ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے مروی ہے کہ:

”میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ اللہ نے لعنت فرمائی اس شخص پر جو میرے صحابہ کو گالی دے“ (المعجم الاوسط، حدیث نمبر:۴۷۷۱) [1]

مثل مشہور ہے کہ آسمان کا تھوکا منہ پر گرا کرتا ہے۔ جن ہستیوں کی تقدیس اور شان خود اللہ اور رسول بیان کریں ان کے خلاف کسی فرد یا گروہ کے مغلظات بکنے سے ان ہستیوں کی شان میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ ایسے افراد اور گروہ اپنی دنیا و عاقبت دونوں خراب کر بیٹھتے ہیں۔ بلکہ ایسے افراد دوہرے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایک تو صحابہ کی گستاخی کا گناہ اور دوسرے مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی دل آزاری کا گناہ۔ دونوں ہی گناہ خدا کی عدالت میں قابلِ مؤاخذہ اور اسلام کی نظر میں قبیح جرائم کی فہرست میں شامل ہیں۔

---

[1] قال الهيثمي :رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله رجال الصحيح غير علي بن سهل، وهو ثقة(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، رقم الحديث : ١٦٤٢٩ ، باب ما جاء في حق الصحابة)

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط25) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف

گزشتہ اقساط میں فقہ مالکی کا مختصر تعارف ومنہج، فقہی اصول، بنیادی مآخذ، اور اس ضمن میں امام مالک رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات اور آپ کے فقہی ذوق کا ذکر کیا گیا، ذیل میں امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب وتلامذہ، جو کہ اس فقہ کے ناشر وترجمان تھے، کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

(2)......عبداللہ بن وہب بن مسلم

عبداللہ بن وہب بن مسلم مشہور مالکی فقیہ، محدث، تبع تابعی، امام مالک رحمہ اللہ اور مشہور مصری امام ''لیث بن سعد'' کے کبار تلامذہ میں سے ہیں، کنیت ''ابو محمد'' اور قریش کے ایک خاندان بنوفہر کے موالی میں سے تھے، مجتہدانہ شان کے مالک، اور جامعُ الحدیث و الفقة والعبادة تھے، آبائی وطن مصر تھا، ولادت کا سال 125ہجری ہے(تذکرۃ الحفاظ للذھبی، ج ۱، ص ۲۲۲، الطبقة السادسة)

علم وفضل

آپ کو کثرت سے احادیثِ نبویہ یاد تھیں، چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''تذکرۃُ الحفاظ'' میں احمد بن صالح کے حوالہ سے یہ بات ذکر کی ہے کہ ایک لاکھ کے قریب روایات ان کے نوکِ زبان تھیں، جن میں ستر ہزار مرویات ہمارے پاس موجود ہیں(تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۲۳، الطبقة السادسة)

آپ کی سوانح عمری سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت تک آپ کو حصولِ علم کا موقع نہیں مل سکا، یا طبیعت کا اس طرف میلان نہیں ہوا، مگر جب آپ کی عمر 17 سال ہوئی، تو حصولِ علم شوق کا پیدا ہوا، مصر میں اس وقت حدیث وفقہ کے حلقہ درس اور متعدد مجلسیں تھی، مگر ان سب میں لیث بن سعد (متوفی:175ھ) کے حلقۂ درس کو زیادہ شہرت حاصل تھی، آپ نے بھی اُن سے کسبِ فیض کیا، مگر اس سب کے باوجود ذوقِ طلب کی تسکین کے لیے آپ نے مکہ، مدینہ اور بغداد وغیرہ کے

اسفار کیے، اور وہاں کے ائمہ علم وفضل سے استفادہ کیا، اربابِ تذکرہ لکھتے ہیں کہ آپ نے تقریباً چار سو ائمہ حدیث وفقہ سے اکتسابِ علم کیا، منجملہ آپ جن ائمہ فضل وکمال سے مستفید ہوئے، ان میں امام مالک، لیث بن سعد، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابنِ جریج مکی اور یونس بن یزید (رحمہم اللہ) اور اس کے علاوہ مصر، عراق اور حجاز کے دیگر اربابِ فضل وکمال شامل ہیں، چنانچہ ''نافع مولیٰ ابن عمرؓ'' سے بھی آپ کا سماع ثابت ہے، اور بغداد میں ہشام بن عروہ (متوفی:146ھ) سے علمی فیض حاصل کرنے کے لیے بھی حاضر ہوئے، مگر تب تک ان کا انتقال ہو چکا تھا (الدیباج المذھب، ج ١، ص ٤١٣، حرف العین. تذکرۃ الحفاظ، ج ١، ص ٢٢٢ و ٢٢٣)

مگر آپ کے طلبِ علم کا سب سے طویل زمانہ امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں گزرا، لگ بھگ بیس سال تک امام صاحب کی خدمت میں رہے، آپ کی ذہانت وذکاوت اور غیر معمولی قوتِ حافظہ کی بنا پر، امام مالک ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے، اور ان کو ان الفاظ سے پکارا کرتے تھے ''عبد اللّٰه بن وهب إمام''۔ اور جب ابنِ وہب جب مصر چلے جاتے، تو امام مالک آپ کو خط لکھتے، تو ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ''إلى عبد اللّٰه مفتي أهل مصر''۔

(وفیات الاعیان، لابن خلکان، ج٣، ص ٣٦، حرف العین، ابن وھب الفقیہ المالکی)

اربابِ تذکرہ لکھتے ہیں کہ اتنی قدر افزائی، امام مالک نے کسی کی نہیں کی، حالانکہ مصر میں اس وقت لیث بن سعد، ابن لہیعہ (متوفی:174ھ) جیسے کبار ائمہ حدیث وفقہ کے علاوہ خود امام مالک رحمہ اللہ کے بے شمار صاحب علم وفضل تلامذہ موجود تھے۔

ایک دفعہ کسی نے امام مالک رحمہ اللہ سے پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنے کے بارے میں اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا، آپ نے اس بارے میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا، ابنِ وہب اس مجلس میں موجود تھے، بولے اس بارے میں ہمارے پاس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے، اور پھر لیث بن سعد کی سند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا دیا کہ ''جب وضو کرو، تو پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو''۔ اس کے بعد امام مالک سے جب کوئی یہ مسئلہ پوچھتا، تو اس کو انگلیوں کے خلال کا حکم دیتے، اور ساتھ یہ بھی فرما دیتے کہ میں نے اب تک یہ روایت نہیں سنی تھی، مجھے بھی ابھی ہی (ابنِ وہب) کے ذریعہ اس کا علم ہوا (تذکرۃ الحفاظ للذھبی، ج ١، ص ٢٢٣، الطبقۃ السادسۃ)

اور سحنون بن سعید (متوفی:240ھ) فرماتے ہیں کہ ہر سال کے اوقات کو اگر تین حصوں میں منقسم کیا جائے، تو ابنِ وہب سال کا ایک حصہ جہاد کرنے میں بسر فرمایا کرتے تھے، ایک حصہ تعلیم و تعلم کے مشغلہ میں مشغول رہا کرتے تھے، اور ایک حصہ بیت اللہ کے سفر میں صرف کیا کرتے تھے، اور منقول ہے کہ آپ نے 36 حج کیے (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۲۳، الطبقۃ السادسۃ)

مدینہ منورہ جہاں امام مالک رحمہ اللہ کا حلقہ درس اور علمی فیض تقریباً نصف صدی تک جاری رہا، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ''مؤطا امام مالک'' کے سماع کے لیے سب سے پہلے تشنگانِ علم نبوی انہی کی طرف متوجہ ہوئے، خود یحییٰ بن یحییٰ مصمودی (متوفی:234ھ) جو کہ مؤطا کے متداول نسخہ کے مرتب ہیں، اس کا ایک حصہ جو امام مالک سے وہ سماع نہیں کر سکے تھے، ان سے پورا کیا۔ چنانچہ امام صاحب کی وفات کے بعد وہاں کے اربابِ علم میں جب کسی مسئلہ یا حدیث نبوی کے بارے میں اختلاف ہوتا، تو وہ لوگ ابن وہب کی رائے کے منتظر رہتے کہ اس کا آخری فیصلہ وہی کریں گے، پھر جب ابنِ وہب حج کو تشریف لاتے، تو یہ لوگ ان کی رائے دریافت کرتے، اور اسی پر فیصلہ ہوجاتا تھا۔

اور ابن حبان (متوفی:354ھ) فرماتے ہیں کہ ابنِ وہب وہ ہیں کہ جنہوں نے اہلِ حجاز اور اہلِ مصر سے مروی احادیث کو یاد کیا، پھر اس کو جمع کرکے مدون و مرتب کیا، یہاں تک کہ ان کی مسانید و مقاطیع (یعنی مقطوع، جس کی سند تابعی پر ہو) سب کو جمع کرڈالا، مگر میں نے ان کے ذخیرۂ روایات میں کوئی منکر روایت نہیں دیکھی (الثقات لابن حبان، ج۸، ص ۳۴۶، باب العین)

اور بعض ائمہ حدیث کا بیان ہے کہ ہم ابنِ وہب کو ''دیوانُ العلم'' کے لقب سے پکارا کرتے تھے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد عبدالرحمٰن بن قاسم فرماتے تھے کہ اگر ابنِ عیینہ کا انتقال ہوگیا، تو اہلِ علم کی سواریاں مکہ کے بجائے، مصر میں ابنِ وہب کے پاس جایا کریں گی، (اس لیے کہ) حدیث کی جمع و تدوین کا جو کام، ابنِ وہب نے کیا کسی نے نہیں کیا، ان کے سامنے بڑے بڑے اربابِ علم کی گردنیں جھک جاتی تھیں (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۲۳، الطبقۃ السادسۃ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بستان المحدثین میں ابنِ وہب کا تذکرہ تدوین موطاء کے

سلسلہ میں کیا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ”عبداللہ ابنِ وہب اپنے زمانے میں حجت تھے، تمام لوگ ان کی مرویات پر کمالِ وثوق اور اعتماد رکھتے تھے، وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے (بلکہ وہ خود مجتہد تھے) البتہ طریقہ اجتہاد وتفقہ میں وہ امام مالک اور لیث بن سعد کی اتباع کرتے تھے“ (بستان المحدثین، ص ۳۷)

آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ خود ان کے اساتذہ میں لیث بن سعد اور امام مالک رحمہم اللہ نے ان سے روایتیں کی ہیں، مثلاً انگلیوں کے خلال کے سلسلہ میں امام مالک کی ایک روایت کا ذکر اوپر آ چکا ہے، اور یہ بھی منقول ہے کہ امام مالک نے ایک دوسری حدیث ”بیعُ العربان“ (ایڈوانس اور بیعانہ سے متعلق) بھی ان سے روایت کی ہے (الدیباج المذهب، ج ۱، ص ۴۱۳، حرف العین)

زہدوعبادت

ابنِ وہب زہدوعبادت میں بھی ممتاز تھے، خاص طور سے زیارتِ حرمین کا جذبہ اُن میں عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا، سال کے چار مہینے وہ دیارِ حبیب کی آمدورفت میں گزار دیتے تھے، انہوں نے قریب قریب 36 حج کیے تھے (تذکرة الحفاظ، ج ۱، ص ۲۲۳، الطبقة السادسة)

دوسری عبادات کا بھی یہ حال تھا، چنانچہ ساجی کا قول ہے کہ ”وکان من العباد“ کہ یہ عبادت گزاروں میں سے تھے (تهذيب التهذيب، ج٦، ص ٧٤، حرف العين)

تصانیف

مشہور مالکی فقیہ عبدالرحمٰن بن قاسم ان کے بارے کہتے تھے کہ ان کے جیسا تدوین وتالیف کا کام کسی نے نہیں کیا (تذکرة الحفاظ، ج ۱، ص ۲۲۳) اور ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ”وله مصنفات في الفقه معروفة“ کہ علم وفقہ میں ان کی تصانیف معروف ومشہور ہیں (وفيات الاعيان، لابن خلكان، ج٣، ص ٣٦، حرف العين، ابن وهب الفقيه المالكی)

ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی کافی تحریریں یادگار چھوڑی تھیں، مگر اربابِ تذکرہ صرف ان کی دو تین کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔

مؤطا امام مالک کی تصنیف

دیگر تصانیف کے علاوہ اُن کو مؤطا امام مالک کی تدوین کی سعادت بھی حاصل ہے، اس میں انہوں

نے ان مرویات کو جمع کیا تھا جوانہوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے سنی تھیں، امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا کے رواۃ (راویوں) کی تعداد بہت زیادہ ہے، مختلف زمانوں میں مختلف علماء نے امام مالک سے اس کی تحصیل کی ہے، اس اختلافِ زمانی کے نتیجہ میں مؤطا لگ بھگ تیس مختلف طریقوں سے مروی ہے، جن میں صرف 16 روایتیں مشہور و معتبر ہیں، پھر ان میں بھی سب سے زیادہ اہمیت تین مؤطاؤں کو حاصل ہے، ''مؤطا امام محمد، موطأ یحییٰ بن یحییٰ'' (آج کل یہی متداول ہے) اور ''موطأ ابنِ وہب''، چنانچہ ابنِ وہب نے اس کا اختصار بھی کیا تھا، جس کا نام ''مؤطا صغیر'' رکھا۔

اگرچہ شہرت کے اعتبار سے یحییٰ مصمودی کی موطأ کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، مگر خود یحییٰ جو کہ موطأ کا ایک حصہ امام مالک سے سماع نہیں کر سکے تھے، امام مالک کی وفات کے بعد ان کے تلامذہ میں سب سے پہلے ابنِ وہب سے ہی سماع کیا تھا، اس طرح ابنِ یحییٰ کی تدوین میں بھی بالواسطہ ان کا ہاتھ تھا۔

وفات

ان کی ایک تیسری کتاب احوال قیامت سے متعلق ''الأھـــوال'' بھی ہے، اس میں انہوں نے قیامت ہولنا کیوں کا ذکر کیا ہے، منقول ہے کہ ایک دن کسی نے ان کے سامنے یہ کتاب پڑھنی شروع کی، ان پر اس دن اس کا اتنا اثر ہوا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے، اُٹھا کر گھر لائے گئے، مرتے دم تک اس کا اثر رہا، یہاں تک کہ شعبان 197 ہجری میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

سفیان بن عیینہ کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی، تو انا اللہ پڑھا، اور بڑے درد و رنج کے ساتھ ڈوبتے ہوئے لہجہ میں فرمایا یہ عامۃ المسلمین (یعنی عام لوگوں) اور خواص اہلِ علم، دونوں کا حادثہ ہے۔

(تهذيب التهذيب، ج٦، ص ٧٤، حرف العين)

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط 76) مولانا محمد ریحان

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی گورنروں کی تقرری (قسط 3)

تجارت سے روکنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی گورنروں کا تعین کرتے، تو انہیں تجارت کرنے سے منع کرتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ گورنر ہمہ وقت ریاستی امور میں مشغول ومصروف رہتا تھا، اور اس کا ہر سفر ریاست کے لیے ہی ہوتا تھا۔ گویا کہ اس کا سارا وقت ریاست کے لیے وقف تھا۔ اب اگر وہ تجارت کے لیے سفر اسفار کرے گا، تو ریاستی امور میں خرابی کا اندیشہ تھا، اس لیے خاص تجارت کے لیے تو وہ سفر نہ کرسکتا تھا۔ البتہ بسا اوقات کچھ گورنر ایسے تھے کہ جو ریاستی اسفار کے دوران ہی اپنے لیے تجارت کا مال لے لیا کرتے تھے، تو ان کو آپ رضی اللہ عنہ نے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ میں نے تمہیں اس مقصد کے لیے سفر پر نہیں بھیجا تھا۔ [1]

اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ جب بھی کسی گورنر کی تقرری کرتے، تو اس وقت اس کی ملکیت میں موجود مال کا حساب کتاب رکھتے تھے، بعد میں اگر اس کے پاس اس سے زیادہ مال ہوجاتا یا اس کی مال میں بڑھوتری ہوجاتی تو آپ رضی اللہ عنہ اس کا محاسبہ کرتے، اور مال کی بڑھوتری کا کوئی عذر قبول نہ کرتے تھے، حتیٰ کہ اگر کوئی یہ کہتا کہ میں نے یہ تجارت سے کمایا ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں نے تمہیں گورنر بنایا ہے، نہ کہ تاجر بنا کر مقرر کیا ہے۔ [2]

---

[1] منع العمال من مزاولة التجارة: كان عمر يمنع عماله وولاته من الدخول فى الصفقات العامة سواءً أكانوا بائعين أو مشترين (5)، روى أن عاملاً لعمر بن الخطاب اسمه الحارث بن كعب بن وهب، ظهر عليه الثراء، فسأله عمر عن مصدر ثرائه فأجاب: خرجت بنفقة معى فاتجرت بها .فقال عمر: أما والله ما بعثناكم لتتجروا وأخذ منه ما حصل عليه من ربح(فصل الخطاب فى سيرة ابن الخطاب ص ٣٢٣ الفصل الخامس،المبحث الثانى،تعيين الولاة فى عهد عمر)

[2] إحصاء ثروة العمال عند تعيينهم: كان عمر يحصى أموال العمال والولاة قبل الولاية ليحاسبهم على ما زادوه بعد الولاية مما لا يدخل فى عداد الزيادة المعقولة، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

گورنروں کا پہننا،اوڑھنا،کھانا،پینا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کو اس بات کی خاص تلقین کیا کرتے تھے کہ وہ عالیشان سواری، قیمتی لباس، اور ستھرا (یعنی مہنگا) کھانا نہ کھائیں، اور نہ ہی مسلمانوں کو ان کی ضرورتیں پوری کیے بنا ان کے حال پر چھوڑ دیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے ان شرائط کا التزام اس وجہ سے کروایا تا کہ کہ گورنروں میں زہد، اور لوگوں کے لیے تواضع برقرار رہے۔اور یہی وہ شے ہے جس کا ایک گورنر میں ہونا ضروری ہے، کیونکہ جب تک اسے دوسروں کے کھانے، پینے، ان کی سواری اور ضروریات کا احساس نہ ہوگا، وہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے سرگرم نہ ہوگا۔ [1]

لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج کے دور میں حکمران اور محافظ طبقہ ایسا ہے کہ اس کا کھانا پینا، اور سواری اور سواری کے اخراجات وغیرہ، اتنے عالیشان ہیں کہ عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ آج کا گورنر اور محافظ طبقہ عام لوگوں کی ضروریات سے بے پرواہ ولا پرواہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن تعلل منهم بالتجارة لم يقبل منه دعواه وكان يقول لهم: إنما بعثناكم ولاة ولم نبعثكم تجاراً(فصل الخطاب فی سيرة ابن الخطاب ص ۳۲۳ الفصل الخامس،المبحث الثانی،تعيين الولاة فی عهد عمر)

[1] شروط عمر علی عماله:

كان عمر بن الخطاب رضی الله عنه إذا استعمل عاملاً كتب عليه كتاباً، وأشهد عليه رهطاً من الأنصار: أن لا يركب برذوناً، ولا يأكل نقياً، ولا يلبس رقيقاً، ولا يغلق بابه دون حاجات المسلمين ثم يقول: اللهم فاشهد.

وهذه الشروط تعنی الالتزام بحياة الزهد والتواضع للناس، وهی خطوة أولی فی إصلاح الأمة بحملها علی التوسط فی المعيشة، واللباس والمراكب، وبهذه الحياة التی تقوم علی الاعتدال تستقيم أمورها، وهی خطة حكيمة، فإن عمر لا يستطيع أن يلزم جميع أفراد الأمة بأمر لا يعتبر واجباً فی الإسلام، ولكنه يستطيع أن يلزم بذلك الولاة والقادة، وإذا التزموا فإنهم القدوة الأولی فی المجتمع، وهی خطة ناجحة فی إصلاح المجتمع وحمايته من أسباب الانهيار(فصل الخطاب فی سيرة ابن الخطاب ص ۳۲۴ الفصل الخامس،المبحث الثانی،تعيين الولاة فی عهد عمر)

حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْوَلِيدِ ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي النَّجُودِ ، عَنِ ابْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ ، قَالَ : كَانَ عُمَرُ إِذَا اسْتَعْمَلَ رَجُلاً أَشْهَدَ عَلَيْهِ رَهْطًا مِنَ الأَنْصَارِ وَغَيْرِهِمْ ، قَالَ : يَقُولُ : إِنِّي لَمْ أَسْتَعْمِلْكَ عَلَى دِمَاءِ الْمُسْلِمِينَ ، وَلاَ عَلَى أَعْرَاضِهِمْ , وَلَكِنِّي اسْتَعْمَلْتُكَ عَلَيْهِمْ لِتَقْسِمَ بَيْنَهُمْ بِالْعَدْلِ وَتُقِيمَ فِيهِمَ الصَّلاَةَ , وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِ أَنْ لاَ يَأْكُلَ نَقِيًّا ، وَلاَ يَلْبَسَ رَقِيقًا ، وَلاَ يَرْكَبَ بِرْذَوْنًا ، وَلاَ يَغْلِقَ بَابَهُ دُونَ حَوَائِجِ النَّاسِ .

(المصنف لابن ابی شيبة ج۱۲ ص۳۲۷ رقم الحديث ۳۳۵۹۱ كتاب السير، بِهِ الإِمام الولاة إذا بعثهم)

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

حاتم کا سکول میں داخلہ

پیارے بچو! ایک بچہ تھا، اس کا نام حاتم تھا۔ اس کی عمر تقریباً 3 سال ہوچکی تھی۔ ابھی تو وہ صحیح طرح سے سوالوں کے جواب بھی نہیں دے سکتا تھا۔ جب بھی اس سے کوئی سوال کیا جاتا، تو اس کا جواب دینے میں وہ بہت سوچتا تھا، یا پھر اس سوال کا جواب اس طرح سے نہ دیتا، جس سے پتا چلے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ پھر وہ نہ تو اپنے باتھ روم جانے کا بتا سکتا۔ ابھی ابھی تو اس کے پمپر لگانا چھوڑے تھے، اور ابھی اس کو اچھی طرح باتھ روم میں بیٹھنے کی عادت بھی نہیں ہوئی تھی۔

اب حاتم کی امی کو اس کی بہت فکر ہونے لگی تھی، کیونکہ حاتم کی عمر اب تین سال ہوچکی تھی، اور اب اس کو اسکول داخل کروانا تھا۔ اس کی امی کو یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ تین سال کے بعد اسکول میں بچوں کا داخلہ نہیں ہوتا۔

ایک دن حاتم کے ابو صبح صبح دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے، حاتم کی امی اس کے ابو کے لیے ناشتہ لے کر آئیں۔ ناشتہ میں آج انڈہ پراٹھا اور ملائی والی چائے تھی۔ حاتم کے ابو صبح صبح خوشگوار موسم میں ناشتہ کرنا شروع ہوگئے۔ حاتم کی امی نے بات شروع کی اور حاتم کے ابو سے کہا:

”پتا ہے، حاتم اب ماشاءاللہ 3 سال کا ہوگیا ہے، اور 3 سال کا بچہ اسکول بھی جانے لگتا ہے۔“

حاتم کے ابو اس طرح بن گئے جس طرح انہیں کچھ بھی سمجھ نہ آیا ہو۔ انہوں نے تھوڑے روکھے انداز میں پوچھا:

”تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

حاتم کی امی کو اب مزید بات کو کھولنا پڑا، اور انہوں نے اب تھوڑی سی اونچی آواز میں کہا:

”مطلب یہ ہے کہ ہمیں اب حاتم کو اسکول بھیجنا چاہیے، کیونکہ 3 سال کے بعد اسکول والے بچے کو داخلہ نہیں دیتے۔“

اب تو حاتم کے ابو سوچ میں پڑ گئے۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ حاتم کے داخلہ، ماہانہ، سالانہ فیس وغیرہ

ملا کر ٹوٹل دس ہزار سے بھی اوپر بن جائیں گے، میں اتنے پیسے کہاں سے دوں گا؟ میری تو تنخواہ ہی تیس ہزار ہے اور اس میں مجھے گھر کا کرایہ، بجلی کا بل اور مہینے کا راشن بھی تو پورا کرنا ہوتا ہے۔

اب انہوں نے تھوڑے سے مرجھائے ہوئے انداز میں جواب دیا:

''ایک تو اب نا بچوں کے اسکول کا بھی اتنا مسئلہ ہو گیا ہے کہ انہیں 3 سال میں ہی داخل کروانا پڑتا ہے۔ ہمارے زمانے میں تو بچہ کو پانچ یا چھ سال کی عمر میں کچی میں داخل کرواتے تھے۔''

حاتم کی امی نے ان کی بات ختم ہوتے ہی فوراً جواب دیا:

''آپ کا زمانہ تو اور تھا، اس زمانہ میں صرف کچی ہوتی تھی۔ اب تو بیسک، لیڈنگ، ایڈوانس۔ تین کلاسیں تو صرف یہی ہیں۔ اب کیا کریں، اگر ابھی اسکول داخل نہ کیا، تو پڑھتے پڑھتے اس کی عمر نکل جائے گی۔''

حاتم کے ابو نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا:

''ہاں، کہہ تو تم صحیح رہی ہو۔ اب کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اگر ابھی داخل نہ کیا تو بعد میں بھی مسئلے بنیں گے۔ لیکن یہ بھی ہے کہ اس نظام کی وجہ سے بچہ پر ظلم ہوتا ہے۔ حاتم تو ابھی تک خود سے واش روم بھی نہیں جا سکتا۔ اور تو اور اسکول میں یہ رکے گا کیسے؟ وہاں روتا رہے گا۔''

اب تو حاتم کی امی نے حاتم کے ابو کو قائل کر ہی لیا تھا، دوبارہ ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے وہ بولیں:

''نہیں اسکول میں یہ سب سہولتیں ہوتی ہیں۔ بیسک میں تو بچہ کو کھلونوں سے پڑھایا جاتا ہے، اور سارے چیزیں کھلونوں پر ہی لکھی ہوتی ہیں۔''

''اچھا بھئی ٹھیک ہے''

یہ کہہ کر حاتم کے ابو سوچ میں پڑ گئے کہ میں کہاں سے ادھار لوں؟ تا کہ بچے کو اسکول داخل کرواسکوں؟

www.idaraghufran.org

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط 64) مفتی طلحہ مدثر

ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (پہلا حصہ)

معزز خواتین! بحیثیت مسلمان ہمارا یہ ایمان ہے، کہ جس خالق اور مالک ذات نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہم اسے اپنا رب مانتے ہیں، وہ اس سے کہیں گنا اعلیٰ و افضل ہے، کہ وہ کسی پر ظلم کرے، یا کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے، یا کسی کے ساتھ ناانصافی کرے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا سورۃ فصلت میں ارشاد ہے:

"وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیدِ" (آیت نمبر ۴۶)

ترجمہ: اور تیرا رب اپنے بندوں پر ہرگز کوئی ظلم کرنے والا نہیں۔

سورۃ غافر میں ارشاد ہے:

"وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ" (آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ: اور اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

سورۃ آلِ عمران میں ارشاد ہے:

"وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ" (آیت نمبر ۱۰۸)

ترجمہ: اور اللہ جہاں والوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں چاہتا۔

اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

"يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" (آیت ۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، اور تمہارے لئے مشکل نہیں چاہتا۔

یہ صرف ایک جھلک ہے، ورنہ اگر اس طرح کی آیات اور احادیث کو جمع کیا جائے، تو اچھا خاصا کتابچہ تیار ہو جائے، پھر اللہ جل شانہ کا اپنی مخلوقات اور خصوصاً بنی نوعِ آدم سے پیار اور محبت کا کیا تعلق ہے، اس کا تصور بھی میرے اور آپ کے ذہن سے ماوراء ہے، بعض لوگ اللہ رب عز وجل کی محبت کو ماں کی محبت سے ستر گنا زیادہ سمجھتے ہیں، اور یہ زبان زدِ عام ہے، کہ اللہ اپنے بندوں سے ستر

ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے، حالانکہ اس بات کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

اللہ اپنے بندوں سے محبت کرتا، بے انتہاء کرتا ہے، لیکن ہماری اتنی دسترس نہیں ہے، کہ ہم اللہ کی صفت کو محدود کر کے بیان کریں، اللہ جل شانہ کی تو ذات ہے ہی ایسی کہ جن کی صفات کی کوئی انتہاء نہیں ہے، اس لیے اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے موازنہ کر کے بیان کرنا دراصل اپنے رب کی شان گھٹانے کے مترادف ہے۔

مرد اور عورت میں مساوات کا پروپیگنڈا

جب ہم اس بات کو مانتے ہیں، کہ اللہ ظلم کرنے والا ناانصافی کرنے والا نہیں ہے، اللہ نے ہمارے دین میں کوئی حرج اور تنگی پیدا نہیں فرمائی، اللہ ہمارے لئے مشکل بھی نہیں چاہتا، تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی کی آزادی سلب کر لیں، یا اس کے حقوق کا تحفظ نہ کریں، اور اب ہمیں معلوم ہو کہ ہمیں خود احتجاج، مظاہرے اور بحثیں کر کے ایسے حقوق لینے ہیں، جو (نعوذ باللہ) اسلام ہمیں نہیں دے سکا، اللہ تعالیٰ نے ہی یہ کائنات بنائی ہے، تو اللہ ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں، کہ کس کے حق میں کیا ذمہ داری موزوں ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ہی ہمیں ڈیزائن کیا ہے، تو ہر پرزہ کو اس کے کام کے مطابق طاقت، توانائی اور خصوصیات سے نوازا ہے، اس نظام پر اعتراض کرنا بالکل ایسا ہی ہے، جیسے ہم یہ اعتراض کریں، کہ ہم صرف قلم سے ہی کیوں لکھتے ہیں، روشنی کے لیے بلب یا لائٹ ہی کیوں جلاتے ہیں، ہوا کے لیے پنکھا ہی کیوں چلاتے ہیں، کیونکہ یہ سب چیزیں بنائی ہی اسی مقصد کے لیے گئی ہیں، یہ ان چیزوں کا کام ہے، قلم کی جگہ کوئلے سے لکھا جا سکتا ہے، بلب کی جگہ آگ سے روشنی حاصل کی سکتی ہے، پنکھے کی جگہ کپڑا جھل کر بھی ہوا حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن یہ عارضی استعمال ہے، ضرورت کا استعمال ہے، جیسے غذا کا اصل راستہ منہ ہے، لیکن بعض لوگوں کو ناک کے ذریعہ خوارک دی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا، سارے لوگ ہی ناک سے غذا لینا شروع کر دیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو الگ الگ ذمہ داریاں دی ہیں، ان کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے، مختلف جسم اور ساخت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، تو ان دونوں کا کام ایک

جیسا کیسے ہوسکتا ہے،؟لیکن انسان کی فطرت ہے،اسے دوسرے کے کام میں ہی آزادی نظر آتی ہے،دوسرا ہی ہمیشہ آسانی اور راحت میں نظر آرہا ہوتا ہے،چنانچہ اسلام مرداورعورت کوالگ الگ کاموں کا اہل سمجھتا ہے،اسلام کی نظر میں امورِخانہ داری اور گھریلوں کاموں کے لیے،بچوں کی پرورش اورنشونما کے لیےعورت،مرد کے مقابلے میں زیادہ اہل اور لائق ہے۔ [1]

ان کاموں کے لیے جس طرح کا صبر،تحمل بردباری،شفقت اور محبت درکار رہے،مرداس پر پورا نہیں اترتا،اسی لئے یہ کام اس کی ذمہ داریوں میں شامل نہیں ہیں،شریعت میں عورت کا اصل دائرہ کار اس کی اصل مشغولی کی حدوداس کا گھر ہے،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وقرن في بيوتكن"(احزاب ۳۳)

"اپنے گھروں میں ٹھہری رہو"

کیونکہ یہ عورت کا میدان ہے،جہاں مرداس کا ہرگز مقابلہ کرنے کا اہل نہیں ہے،ایک صحابی نے اپنی اہلیہ کوطلاق دینے کو بعد یہ چاہا کہ وہ اپنے بچے کی پرورش بھی خود ہی کریں،ان کی اہلیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ مقدمہ پیش کیا،اورعرض کیا کہ مجھے اس بچے کے والد نے طلاق دے دی ہے،اوراب اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے،جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے حق میں فیصلہ کردیا اورارشادفرمایا:

"أنت أحق به ما لم تنكحي" (سنن ابو داؤد، كتاب الطلاق، باب من احق بالولد،رقم الحديث٢٢٧٦)

ترجمہ:تم اس (بچے کے)بارے میں زیادہ حق دار ہو،جب تک کہ کسی دوسری جگہ نکاح نہ کرلو(ابوداؤد)

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون کومرد کے مقابلے میں اس کام کے لئے زیادہ حقداراوراہل قراردیا ہے۔ (جاری ہے............)

---

[1] یہاں یہ بات ملوظ رہے،کہ تربیت اور پرورش الگ الگ چیز ہے،تربیت کی ذمہ داری والدین کی مشترکہ ہے،پرورش سے مراد بچوں کی صاف صفائی،خوراک،لباس وغیرہ کی دیکھ بھال ہے۔طلحہ۔

ماہِ شعبان میں روزے رکھنے کے فضائل ومسائل

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! شعبان کے مہینے میں جتنے آپ (نفل) روزے رکھتے ہیں، میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں اتنے (نفلی) روزے رکھتے نہیں دیکھا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رجب اور رمضان کے درمیان وہ مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہوجاتے ہیں اور اس مہینہ میں اللہ ربُّ العالمین کی بارگاہ میں اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال اُٹھائے جائیں،تو میں روزے سے ہوں۔

(سنن النسائی، حدیث نمبر 2357، مسند احمد، حدیث نمبر 21753)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ شعبان کے مہینہ میں لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے اور اُٹھائے جاتے ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے،مگر دوسری بعض احادیث میں پندرہ شعبان کے بعد روزے رکھنے سے منع کیا گیا ہے،اس قسم کی احادیث میں غور وفکر کرتے ہوئے فقہائے احناف نے فرمایا کہ پندرہ شعبان کے بعد روزے رکھنا اس صورت میں ممنوع ہے،جبکہ یہ عام نفلی روزے ہوں،قضاء یا واجب (مثلاً کفارے وغیرہ کے) روزے نہ ہوں اور اس کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے تاکہ شعبان کے آخری دنوں میں روزے رکھنے کی وجہ سے رمضان کے روزے رکھنے میں ضعف اور کمزوری نہ ہوجائے۔

پندرہ شعبان کی رات اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ (سنن الترمذی، حدیث نمبر 739)

ترجمہ: اللہ عزّ وجل پندرہ شعبان کی رات میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، پھر بنوکلب (قبیلہ) کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگوں کی بخشش فرماتے ہیں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

هٰذِهٖ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَطَّلِعُ عَلٰى عِبَادِهٖ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِيْنَ، وَيَرْحَمُ الْمُسْتَرْحِمِيْنَ، وَيُؤَخِّرُ أَهْلَ الْحِقْدِ كَمَا هُمْ (شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر 3554)

ترجمہ: یہ پندرہ شعبان کی رات ہے، اللہ عزّ وجل پندرہ شعبان کی رات میں اپنے بندوں پر توجہ (یعنی خصوصی رحمت کی نظر) فرماتے ہیں، پس بخشش چاہنے والوں کی بخشش فرماتے ہیں، اور رحم چاہنے والوں پر رحم فرماتے ہیں، اور کینہ (وبغض) رکھنے والوں کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں (بیہقی)

www.idaraghufran.org

پندرہ شعبان کی رات میں مشرک اور بغض وکینہ پرور کی بخشش نہیں کی جاتی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لمبی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

هٰذِهِ اللَّيْلَةُ، لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهِ إِلَّا الْمُشْرِكَ وَالْمُشَاحِنَ شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر 3557)

ترجمہ: یہ رات، پندرہ شعبان کی رات ہے، جس میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، پس اپنے بندوں کی بخشش فرماتے ہیں، سوائے مشرک اور بغض (وکینہ) رکھنے والے کے (بیہقی)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، اور ہر ایسے بندے کی بخشش کی جاتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا، مگر اس آدمی کی بخشش نہیں کی جاتی، کہ اس کے اور اس کے (مسلمان) بھائی کے درمیان کینہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ یہ کینہ ختم کرلیں، ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ یہ کینہ ختم کرلیں، ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ یہ کینہ ختم کرلیں (یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرماتے ہیں) (مسلم، حدیث نمبر 2565''35'')

شرک اور قطع رحمی کا وبال

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ رَبَّکُمْ یَطَّلِعُ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلٰی خَلْقِهٖ فَیَغْفِرُ لَهُمْ کُلِّهِمْ إِلَّا أَنْ یَّکُوْنَ مُشْرِکًا أَوْ مُصَارِمًا.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک آپ کے رب (اللہ عزوجل) شعبان کی پندرہویں رات میں اپنی مخلوق کی طرف (رحمت کی خصوصی) توجہ فرماتے ہیں، اور سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں، مگر جو شخص کہ مشرک ہو، یا قطع تعلق کرنے والا ہو۔

(بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث بن أبي أسامة، رقم الحديث338)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم اور قطع رحمی کے مقابلہ میں کوئی اور گناہ اس بات کا زیادہ حقدار نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے کرنے والے کو دنیا میں ہی جلد سزا عطا فرمائیں، اور آخرت میں اس کے لئے سزا باقی رہے (أبو داؤد، حديث نمبر 4902)

مطلب یہ ہے کہ جن گناہوں پر دنیا میں ہی بہت جلدی اللہ تعالیٰ کی جانب سے سزا ملتی ہے، اور آخرت کی سزا اپنی جگہ برقرار رہتی ہے، ان میں قطع رحمی اور ظلم جیسا اور کوئی گناہ نہیں، اور پندرہ شعبان کی رات میں قطع رحمی کرنے والے بخشش سے محروم رہ جاتے ہیں۔

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

تکفیر بازی و مغالطاتِ سلفی کا جائزہ (قسط5)

شیعہ امامیہ کے فرقے، اور ناصر قفاری کا حوالہ

سلفی صاحب ''الزامات واتہامات بازی'' کے ساتھ ''علمی خیانت'' میں بھی اپنی مثال آپ ہیں، سلفی صاحب نے امامیہ کے مختلف فرقے نہ ہونے، اور امامیہ سے ''محض اثنا عشریہ'' مراد ہونے پر برہمی کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''غفرانی ٹیم کی باوجود اس کم فہمی کے ان کی ہوش ربا جسارت ملاحظہ ہو کہ ایک جگہ حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''امامیہ کے مختلف فرقے ہیں، جن میں ایک مشہور فرقہ اثنا عشریہ ہے'' (علمی و تحقیقی رسائل جلد۱۸، ص۲۹۶)

حالانکہ اثنا عشری اور امامیہ ایک ہی چیز ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہمارے مخاطب موصوف نہ تو اثنا عشری کی اصطلاح سے واقف ہیں۔ الخ (مجلّہ حق چاریار، ص۴۳، جلد35، شمارہ12، جمادی الاولیٰ1444ھ، دسمبر2022ء)

حالانکہ اول تو سلفی صاحب شیعوں کے محض امامیہ، یا اثنا عشریہ کو ہی نہیں، بلکہ وہ کسی استثناء کے بغیر دنیا کے جملہ شیعہ پر تکفیر کا حکم لگانے کے مدعی ہیں۔

اور اس وقت ایک اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں متفرق شیعوں کی تعداد تقریباً 40 کروڑ ہے، جن میں زیدیہ، اور رافضہ اور ان کے مختلف فرقے، یہاں تک کہ بعض غالیہ بھی داخل ہیں، اگرچہ وہ کسی بھی مخصوص نسبت سے معروف ہوں۔

دوسرے اس کے بعد سلفی صاحب نے ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری کی جس عبارت کو اپنے مندرجہ بالا موقف کا مستدل بنایا ہے، اس کے ابتدائی حصہ کو انہوں نے حذف ہی کر دیا، اور جو

عبارت نقل کی، اس کا ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔

سلفی صاحب کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

" الامامية لكن تخصص فيما بعد عند جمع من المؤلفين وغيرهم بالاثنى عشرية، ولعل من أول من ذهب إلى ذلک شيخ الاثنى عشرية فى زمنه "المفيد "فى كتابه أوائل المقالات.

وأشار السمعانى إلى أن ذلک هو المعروف فى عصره فقال: " وعلى هذه الطائفة – يشير إلى الاثنى عشرية – يطلق الآن الإمامية (الانساب).

"وقال ابن خلدون" : وأما الاثنا عشيرية فربما خصوا باسم الإمامية عند المتأخرين منهم (تاريخ ابن خلدون)

وأشار صاحب مختصر التحفة الاثنى عشرية إلى أن الاثنى عشرية هى المتبادرة عند إطلاق لفظ الإمامية.ويقول الشيخ زاهد الكوثرى:" والمعروف أن الإمامية هم: الاثنا عشرية.

ويلاحظ أن كاشف الغطا – من شيوخ الشيعة المعاصرين – يستعمل لقب الإمامية بإطلاق على الاثنى عشرية ،

ومن شيوخ الشيعة الآخرين من يرى أن الإمامية فرق، منهم الاثنا عشرية، والكيسانية، والزيدية، والإسماعيلية. وبعدما عرفنا أن الإمامية صار لقباً من ألقاب الاثنى عشرية نعرج على ما قيل فى تعريفه.(أصول مذهب الشيعة الإمامية الإثنى عشرية (عرض ونقد) المجلد الأول ، جامعة الامام محمد بن سعود الاسلاميه ، سعودی عرب ، ۱۹۹۳ء ، ۱۴۱۴ھ)

ترجمہ: بعدازاں کل کے کل مولفین کے نزدیک ''امامیہ'' کا نام اثنا عشری روافض کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے، غالباً پہلے پہل اثنا عشریہ کے ہم عصر ایک جید عالم شیخ مفید نے ''اوائل المقالات'' نامی اپنی کتاب میں یہ بات درج کی تھی، اسی طرح شیخ سمعانی نے بھی فرمایا ہے کہ اب اسی فرقہ اثنا عشری کو ہی امامیہ کہا جاتا ہے، علامہ ابنِ خلدون رحمہ اللہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ متاخرین روافض کے نزدیک ''امامیہ'' کا لقب اثنا عشریوں کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے، اسی طرح مختصر تحفہ اثنا عشریہ کے مولف نے بھی کہا ہے کہ جب ''امامیہ'' کے لفظ کا اطلاق کیا جائے، تو اس سے اثنا عشری روافض ہی مراد ہوتے ہیں، نیز شیخ زاہد کوثری کی بھی یہی تحقیق ہے کہ امامیہ سے مراد اثنا عشری ہیں، اسی طرح معاصر روافض کے ایک بڑے عالم کاشف الغطاء ''امامیہ'' کا لقب علی الاطلاق اثنا عشری پر استعمال کرتے ہیں، فرقہ اثنا عشریہ کا لقب ''امامیہ'' ثابت کرنے کے بعد اب ہم امامیہ کی تعریف پیش کرتے ہیں'' (مجلّہ حق چار یار، ص۴۳،۴۴، جلد 35، شمارہ 12، جمادی الاولیٰ 1444ھ، دسمبر2022ء)

ہم ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری کی پوری عبارت کو ترجمہ سمیت ذیل میں نقل کرتے ہیں، ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری لکھتے ہیں:

الإمامية:هذا اللقب عند كثير من أصحاب الفرق والمقالات يطلق على مجموعة من الفرق الشيعية.

www.idaraghufran.org

ولكن تخصص فيما بعد عند جمع من المؤلفين وغيرهم بالاثنى عشرية، ولعل من أول من ذهب إلى ذلك شيخ الاثنى عشرية فى زمنه "المفيد "فى كتابه أوائل المقالات (أوائل المقالات: ص 44) وأشار السمعانى إلى أن ذلك هو المعروف فى عصره فقال " :وعلى هذه الطائفة -يشير إلى الاثنى عشرية -يطلق الآن الإمامية "(الأنساب: 1/344، ابن الأثير/اللباب: 1/84، السيوطى/لب الألباب فى تحرير الأنساب، حرف الهمزة، لفظ إمامية)وقال ابن خلدون " :وأما الاثنا عشرين فربما خصوا باسم الإمامية عند المتأخرين منهم "(تاريخ ابن خلدون: 1/201)وأشار صاحب مختصر التحفة الاثنى عشرية إلى أن الاثنى عشرية هى المتبادرة عند إطلاق لفظ الإمامية (مختصر التحفة الاثنى عشرية: ص 20) ويقول الشيخ زاهد الكوثرى " :والمعروف أن الإمامية هم :الاثنا عشرية " (الكوثرى/فى تعليقاته على كتاب التنبيه والرد للملطى: ص 18)ويلاحظ أن كاشف الغطا -من شيوخ الشيعة المعاصرين -يستعمل لقب الإمامية بإطلاق على الاثنى عشرية (أصل الشيعة وأصولها: ص 92) ومن شيوخ الشيعة الآخرين من يرى أن الإمامية فرق، منهم الاثنا عشرية، والكيسانية، والزيدية، والإسماعيلية (محسن الأمين/ أعيان الشيعة 1/21) وبعدما عرفنا أن الإمامية صار لقباً من ألقاب الاثنى عشرية نعرج على ما قيل فى تعريفه(أصول مذهب الشيعة الإمامية الإثنى عشرية عرض ونقد، ج ۱، ص ۱۰۰ ،ألقاب الشيعة الإمامية الاثنى عشرية،الامامية)

ترجمہ: ’’امامیہ‘‘ کے اس لقب کا اطلاق ، بیشتر اصحابِ فرق ومقالات کے نزدیک شیعہ کے مجموعی فرقوں پر ہوتا ہے۔

لیکن بعد کے مولفین وغیرہ کی ایک جماعت کے نزدیک ’’اثنیٰ عشریہ‘‘ کے ساتھ مختص ہوگیا۔ اور غالبًا سب سے پہلے اس کی طرف اثنیٰ عشریہ کے شیخ ’’مفید‘‘ اپنی کتاب اوائل المقالات میں گئے ہیں (ملاحظہ ہو:’’ اوائل المقالات ،صفحہ نمبر ۴۴)

اور سمعانی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی یہی معروف تھا، چنانچہ انہوں نے اثنیٰ عشریہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی جماعت پر اب ’’امامیہ‘‘ کا اطلاق کیا جاتا ہے (’’ملاحظہ ہو:’’الانساب، ج۱،ص ۳۴۴‘‘ اور ابنِ اثیر کی ’’اللباب‘‘ ج

۱،ص۸۴،اورسیوطی کی"لب الالباب فی تحریر الانساب،حرف الھمزۃ،لفظِ"امامیۃ")

اور ابنِ خلدون نے فرمایا کہ اور جہاں تک اثنا عشرین کا تعلق ہے،تو بسا اوقات ان کو امامیہ کے نام کے ساتھ مختص کیا جاتا ہے،ان میں سے متاخرین کے نزدیک (تاریخِ ابنِ خلدون،ج۱،ص۲۰۱)

صاحبِ"مختصر التحفة الاثنی عشریة "نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ امامیہ کے لفظ کے اطلاق کے وقت"اثنیٰ عشریہ"متبادر ہوتا ہے(مختصر التحفة الاثنی عشریة"ص۲۰)

اور شیخ زاہد الکوثری فرماتے ہیں کہ معروف یہ ہے کہ امامیہ ہی اثنا عشریہ ہیں (ملاحظہ ہو کوثری کی تعلیقات علیٰ کتاب التنبیه والرد للملطی،ص۱۸)

اور یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ معاصرین شیعہ کے شیوخ میں سے کاشف الغطاء امامیہ کے لقب کو مطلق ہونے کی صورت میں اثنیٰ عشریہ پر استعمال کرتے ہیں (ملاحظہ ہو:اصل الشیعة واصولھا،ص۹۲)

اور شیعہ کے دوسرے شیوخ میں سے وہ حضرات بھی ہیں، جو امامیہ کے مختلف فرقوں کی رائے رکھتے ہیں،جن میں اثنا عشریہ،اور کیسانیہ اور زیدیہ اور اسماعیلیہ داخل ہیں (ملاحظہ ہو،محسن الامین/اعیان الشیعة،ج۱،ص۲۱)

اور بعد اس کے کہ ہم نے یہ بات پہچان لی کہ"امامیہ" اثنیٰ عشریہ کے القاب میں سے ایک لقب ہو گیا،اب ہم چڑھتے ہیں،اس بات پر جو اس کی تعریف میں کہی گئی ہے(اصول مذھب الشیعة الامامیة الاثنی عشریة)

یہ ترجمہ ہے،اس عبارت کا،جو سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں کتر بیونت کر کے نقل کی ہے۔

سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں اس عبارت سے متعلق مندرجہ ذیل علمی خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے۔

(1)سلفی صاحب نے اس عبارت کے بالکل شروع میں قفاری صاحب کی عبارت سے،لفظِ"الإمامیة"کے بعد یہ حصہ:

"ھذا اللقب عند کثیر من أصحاب الفرق والمقالات یطلق علی

مجموعة من الفرق الشيعية"

حذف کر دیا، کیونکہ یہ سلفی صاحب کے مقصود کے خلاف تھا۔

(2) سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں قفاری صاحب کی عبارت کے درج بالا حصہ کا ترجمہ بھی حذف کر دیا، کیونکہ یہ بھی سلفی صاحب کے مقصود کے خلاف تھا۔

(3) سلفی صاحب نے قفاری صاحب کی عبارت "**جمع من المؤلفين**" کا ترجمہ "کل کے کل مولفین کے نزدیک" کے الفاظ میں کیا۔

حالانکہ یہاں "**جمع**" کا لفظ ہے، جو "جماعت" کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ "جمیع" کا لفظ استعمال نہیں ہوا، جو "کل" یا "سب" کے معنیٰ میں آتا ہے۔ جس کی بے شمار مثالیں عربی کتب میں موجود ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔

شہاب الدین تورپشتی (المتوفیٰ: 661ہجری) فرماتے ہیں:

هو عند جمع من العلماء على الندب والاستحباب من طريق المواساة وحسن الجوار، ولو منعه فله ذلك، ورأى آخرون على الوجوب(الميسر فی شرح مصابيح السنة، ج۲،ص۷۰۵، كتاب البيوع،ومن باب الشفعة)

اس عبارت میں "**جمع**" کا لفظ "ایک جماعت" کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، ورنہ تو اس کے بالمقابل بعد میں "**ورأى آخرون**" کے الفاظ کا استعمال درست نہ ہوتا۔

(4) سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں قفاری صاحب کی اس پوری عبارت:

" ومن شيوخ الشيعة الآخرين من يرى أن الإمامية فرق، منهم الاثنا عشرية، والكيسانية، والزيدية، والإسماعيلية (محسن الأمين/أعيان الشيعة1/21)

کا ترجمہ ہی حذف کر دیا، کیونکہ یہ بھی سلفی صاحب کے مقصود کے خلاف تھا۔

سلفی صاحب کی ان علمی خیانتوں کے بعد، اب ہم سلفی صاحب کے اس سلسلہ میں متبوع "ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری" کی مندرجہ بالا عبارت میں مذکور حوالہ جات پر کلام کرتے ہیں، جو خلطِ مبحث پر مبنی ہیں۔

www.idaraghufran.org

چنانچہ مندرجہ بالا عبارت میں ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''امامیہ کا لقب ''اثنی عشریہ'' کے لئے سب سے پہلے اثنی عشریہ کے شیخ مفید نے مختص کیا، جس کے لئے انہوں نے شیخ مفید کی ''اوائل المقالات'' کے، صفحہ نمبر ۴۴ کا حوالہ دیا ہے۔

حالانکہ مندرجہ بالا عبارت کے آگے متصل بعد خود ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے شیخ مفید ہی کی تالیف ''العیون والمحاسن'' کے حوالہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے امامیہ کا لقب عام استعمال کیا ہے، جس میں اثنا عشریہ کے علاوہ بھی داخل ہیں۔ [1]

اور یہ بات معلوم ہے کہ شیخ مفید (المتوفی: 412ھ) اپنے نظریہ کے مطابق جن لوگوں کو ''صحیح امامیہ'' سمجھیں گے، ان پر ہی اس کا اطلاق کریں گے، اور ان کو ہی امامیہ قرار دیں گے، دوسرے لوگوں کو امامیہ قرار دینے کا کیا مطلب۔ [2]

---

[1] الإمامية:ويقول شيخ الشيعة في زمنه المفيد " :الإمامية هم القائلون بوجوب الإمامة، والعصمة، ووجوب النص، وإنما حصل لهم هذا الاسم في الأصل لجمعها في المقالة هذه الأصول، فكل من جمعها فهو إمامي وإن ضم إليها حقاً في المذهب كان أم باطلاً، ثم إن من شمله هذا الاسم واستحقه لمعناه، قد افترقت كلمتهم في أعيان الأئمة وفي فروع ترجع إلى هذه الأصول وغير ذلك، فأول من شذ من فرق الإمامية الكيسانية "(العيون والمحاسن.2/91 :).فالمفيد هنا يجعل لقب الإمامية لقباً عاماً يشمل كل من قال بهذه الأركان الثلاثة التي ذكرها :الإمامة، العصمة، النص، ولكنه في كتاب آخر له يضيق نطاق هذا المصطلح حتى يكاد يقصره على طائفة الاثني عشرية حيث يقول" :الإمامية علم على من دان بوجوب الإمامة ووجودها في كل زمان، وأجب النص الجلي، والعصمة والكمال لكل إمام، ثم حصر الإمامة في ولد الحسين بن علي، وساقها إلى الرضا علي بن موسى -عليه السلام "-(أوائل المقالات :ص .44)(أصول مذهب الشعية الإمامية الإثني عشرية عرض ونقد، ج ١، ص ١٠٤، الامامية)

[2] فأما السمة للمذهب بالإمامة ووصف الفريق من الشيعة بالامامية ،فهو عَلَم على من دان بوجوب الإمامة ووجودها في كل زمان، وأوجب النص الجلي والعصمة والكمال لكل إمام، ثم حصر الإمامة في ولد الحسين بن علي – عليهما السلام – وساقها إلى الرضا علي بن موسى – عليه السلام – لأنه وإن كان في الأصل علَمًا على من دان من الأصول بما ذكرناه دون التخصيص لمن قال في الأعيان بما وصفناه، فإنه قد انتقل عن أصله لاستحقاق فرق من معتقديه ألقابا بأحاديث لهم بأقاويل أحدثوها فغلبت عليهم في الاستعمال دون الوصف بالامامية، وصار هذا الاسم في عرف المتكلمين وغيرهم من الفقهاء والعامة علما على من ذكرناه.
وأما الزيدية فهم القائلون بإمامة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب والحسن والحسين وزيد بن علي – عليهم السلام – وبإمامة كل فاطمي دعا إلى نفسه و هو على ظاهر العدالة ومن أهل العلم والشجاعة و كانت بيعته على تجريد السيف للجهاد(اوائل المقالات في المذاهب المختارات، ص ۴۲،باب الفرق بين الإمامية وغيرهم من الشيعة وسائر أصحاب المقالات، الناشر : دارالكتاب الاسلامي، بيروت، لبنان، سنة الطبعة: ۱۴۰۳ھ، 1983م)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جیسا کہ دیوبندی اپنے آپ کو''بریلویوں کے مقابلہ میں''صحیح حنفی'' سمجھتے ہیں، اور بریلوی حضرات،اس کے برعکس سمجھتے ہیں،اور دیوبندی، بریلوی،اوراہلِ حدیث سب حضرات ہی اپنے آپ کوصحیح سنی سمجھتے ہیں۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الواقع اس حنفی،یاسنی عنوان سے دوسرے فرقے موجودنہ ہوں۔

اس کے بعدمندرجہ بالاعبارت میں ناصربن عبداللہ بن علی القفاری نے دوسراحوالہ''سمعانی'' کاذکرکیا ہے،لیکن سمعانی کے حوالہ سے بھی امامیہ کے مختلف فرقوں کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ ان کاثبوت ملتاہے۔

چنانچہ ابوسعدسمعانی(المتوفیٰ:562ھ) نے''الانســـــاب''میں امامیہ کے متعددفرقوں،جیسا کہ ''محمدیہ،موسویہ،ناووسیہ''وغیرہ کاذکرکیاہے،اوران کو''غالی شیعہ'' کہاہے۔ [1]

اسی کے ساتھ سمعانی نے''الانســـــاب''میں ایک مقام پرفرقۂ امامیہ کاذکرکرتے ہوئے جوکچھ فرمایا،اس کاحاصل یہ ہے کہ:

''شیعہ کا''امامِ منتظر'' کے بارے میں اختلاف ہے،کیسانیہ ان کا نام''محمد بن حنفیہ'' بتاتے ہیں،اوران کے بارے میں اپنے مخصوص خیالات رکھتے ہیں،اورامامیہ کی ایک جماعت ان کی وفات،اور بعد میں دنیا کی طرف عودکرنے،اوران کے ساتھ مخصوص اموات کی حیات اورپھرموت کی،اورپھرقیامت کے دن دوبارہ مبعوث ہونے کی قائل

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾واتفقت الإمامية على أن الأئمة بعد الرسول صلى الله على وسلم إثنى عشر إماما(اوائل المقالات فى المذاهب المختارات،ص۴۵، باب ما اتفقت الإمامية فيه على خلاف المعتزلة فيما اجمتعوا عليه من القول بالإمامة، الناشر: دارالكتاب الاسلامى، بيروت، لبنان، سنة الطبعة: ۱۴۰۳ھ)

[1] وطائفة من الإمامية -وهم من غلاة الشيعة -يقال لهم المحمدية ، وإنما قيل لهم المحمدية لأنهم ينتظرون خروج محمد بن عبد الله بن الحسن ابن الحسن بن علي بن أبى طالب، فهم على انتظاره من عهد أبى جعفر المنصور إلى يومنا هذا مع تواتر الخبر بقتله(الأنساب،ج۱۲،ص۱۲۳ تحت الترجمة:المحمّدى)

وفرقة من غلاة الشيعة من الطائفة الإمامية يقال لهم الموسوية لأنهم على انتظار موسى بن جعفر الصادق وهم يشكون فى وفاته، ومشهده ببغداد مشهور يزار يقال له مشهد باب البر ويقال له مقابر قريش أيضا زرته غير مرة مع ابن ابنه محمد بن الرضا على بن موسى (الأنساب، ج۱۲، ص ۴۷۸، تحت الترجمة:الموسوى)

الناووسى:بفتح النون والواوين بعد الألف وفى آخرها السين المهملة، هذه النسبة لطائفة من الإمامية، وهم من غلاة الشيعة، يقال لهم الناووسية، وهم شكوا فى موت الباقر محمد بن على بن الحسين ابن على بن أبى طالب رضوان الله عليهم، فهم على انتظاره، وهم ينتظرون أيضا جعفر بن محمد الصادق والأمة كلها تزور قبره بالبقيع من المدينة(الأنساب،ج۱۳،ص۱۹ ،تحت الترجمة: الناووسى)

ہے،اوران امامیہ کی ایک جماعت،اس امام کا نام ”موسیٰ بن جعفر“ بتلاتی ہے۔اوران امامیہ کی ایک جماعت ان کا نام ”اسماعیل“ بتلاتی ہے،اوران امامیہ کی ایک جماعت ان کا نام ”محمد بن حسن“ بتلاتی ہے،اور امامیہ کی اس جماعت پر ہی اس وقت امامیہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ”امامِ منتظر“ کے بارے میں ان کا اختلاف بہت زیادہ ہے۔

اور امامیہ میں بعض فرقے ”اصحابِ حلول“ یا ”اہلِ تشبیہ“ کی طرف مائل ہیں،جن کا حکم ”حلولیہ“ والا،یا ”مشبہہ“ والا ہے،الخ“۔ [1]

اس کے بعد مندرجہ بالاعبارت میں ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے تیسرا حوالہ ”ابنِ اثیر“ کا ذکر کیا ہے،لیکن ابنِ اثیر کے حوالہ سے بھی امامیہ کے مختلف فرقوں کی نفی نہیں ہوتی،بلکہ ان کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ عزالدین ابن الاثیر(المتوفیٰ:630ھ) بھی امامیہ کے مختلف فرقوں کے قائل ہیں،جیسا کہ ان کی تالیف ”اللباب فی تهذيب الأنساب“ سے ظاہر ہے۔ [2]

اس کے بعد مندرجہ بالاعبارت میں ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے چوتھا حوالہ ”علامہ سیوطی“ کا

---

[1] وقد اختلفت الشيعة فى الإمام المنتظر فالكيسانية تزعم انه محمد بن الحنفية ،وأنه بجبل رضوى، وقال طائفة منهم :انه توفي ويعود الى الدنيا ويبعث معه الأموات ثم يموتون ثم يبعثون يوم القيامة، قال شاعرهم: الى يوم يؤب الناس فيه ...الى دنياهم قبل الحساب
وطائفة تقول :انه موسى بن جعفر، وطائفة تقول :انه إسماعيل اخوه، وأخرى تقول :انه محمد بن الحسن بن على الّذى بمشهد سامرا، وعلى هذه الطائفة يطلق الآن الإمامية، واختلاف المنتظرية فى المنتظر كثير.
وفى الإمامية فرق منهم من يميل الى قول أصحاب الحلول أو إلى التشبيه، فحكمه حكم الحلولية والمشبهة (الأنساب للسمعانى، ج ۱ ص ۳۴۴ الىٰ ۳۴۶، باب الألف والميم،الإمامى)

[2] الإمامى بفتح الميم بين الألفين وألف بين الميمين -هذه النسبة إلى الإمام وأما الفرقة الإمامية من الشيعة فإنما لقبوا بهذا اللقب لأنهم يرون الإمامة لعلى رضى الله عنه ولأولاده من بعده رضى الله عنهم وينتظرون الإمام الذى يخرج آخر الزمان وقد اختلفت الشيعة فى الإمام المنتظر والكيسانية تزعم أنه محمد بن الحنفية وأنه بجبل رضوى وقالت طائفة منهم إنه توفي ويعود إلى الدنيا ويبعث معه الأموات ثم يموتون ثم يبعثون يوم القيامة قال شاعرهم:إلى يوم يؤوب الناس فيه ...إلى دنياهم قبل الحساب
وطائفة تقول إنه موسى بن جعفر وطائفة تقول إنه إسماعيل أخوه وأخرى تقول إنه محمد بن الحسن بن على الذى بمشهد سامرا وعلى هذه الطائفة يطلق الآن الإمامية واختلاف المنتظرية فى المنتظر كثير(اللباب فى تهذيب الأنساب،ج ۱ ،ص ۸۳ و ۸۴،باب الالف والميم)

www.idaraghufran.org

ذکرکیاہے،لیکن جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ:911ھ) نے اپنی تالیف"لب اللباب"میں"اثنا عشریہ"کوشیعوں کاایک گروہ کہاہے،تمام شیعوں کواس میں محصورنہیں کیا۔ [1]

اورعلامہ سیوطی نے اسی تالیف میں ایک مقام پر"امامیہ"کوشیعہ کی ایک جماعت کہاہے،اوراس کو امامِ منتظرکاگمان کرنے والاکہاہے۔ [2]

نیزعلامہ سیوطی نے اپنی تالیف"مفتاح الجنة"میں فرمایاکہ:

رأيت بعض من صنف فى الملل والنحل قسم فرق الرافضة إلى اثنى عشرة فرقة(مفتاح الجنة فى الاحتجاج بالسنة،ص ۷۴)

ترجمہ:میں نے ملل والنحل کے موضوع پرتصنیف کرنے والے بعض مصنفین کو دیکھا،انہوں نے"رافضہ"کے بارہ فرقوں کی تقسیم کی ہے(مفتاح الجنۃ)

پھراس کے ایک صفحہ بعدہی علامہ سیوطی نے اپنی تالیف"مفتاح الجنة"میں فرمایاکہ:

والسادسة الإمامية، قالوا لا تخلو الأرض من إمام من ولد الحسين، إما ظاهر مكشوف أو باطن موصوف(مفتاح الجنة فى الاحتجاج بالسنة،ص ۷۵)

ترجمہ:اوررافضہ کاچھٹافرقہ"امامیہ"کاہے،جویہ کہتے ہیں کہ زمین حضرت حسین کی نسل کے امام سے خالی نہیں ہوتی،یاتووہ امام ظاہرہوتاہے،یاباطن موصوف ہوتا ہے(مفتاح الجنۃ)

اس عبارت میں علامہ سیوطی نے"امامِ ظاہر،اورامامِ غائب"کے قائلین،یعنی اثناعشریہ،اسماعیلی اورآغاخانی،سب کو"امامیہ"کہاہے،اورساتھ ہی امامیہ کورافضہ کاچھٹافرقہ بھی کہاہے۔

اس کے بعدمندرجہ بالاعبارت میں ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے پانچواں حوالہ"ابنِ خلدون"کاذکرکیاہے،لیکن ابنِ خلدون نے بھی امامیہ کے اثناعشریہ میں محصورہونے کاحکم نہیں لگایا،بلکہ پہلے تویہ فرمایاکہ:

---

[1] الاثناعشرى :إلى الاثنا عشرية طائفة من الشيعة يعتقدون اثنى عشر إماماً قلت هذه النسبة لحن انتهى(لب اللباب فى تحرير الأنساب،ص۷،باب الألف والثاء)

[2] الإمامى :واحد الإمامية طائفة من الشيعة ينتظرون بزعمهم إماماً يخرج آخر الزمان(لب اللباب فى تحرير الأنساب،ص ۱۹،باب الألف والميم)

www.idaraghufran.org

وأما الإمامية فساقوا الإمامة من علی الرضی إلی ابنه الحسن بالوصية ثم إلی أخيه الحسين ثم إلی ابنه علی زين العابدين ثم إلی ابنه محمد الباقر ثم إلی ابنه جعفر الصادق.

ومن هنا افترقوا فرقتين فرقة ساقوها إلی ولده إسماعيل ويعرفونه بينهم بالإمام وهم الإسماعيلية وفرقة ساقوها إلی ابنه موسی الكاظم وهم الاثنا عشرية لوقوفهم عند الثانی عشر من الأئمة (تاريخ ابن خلدون، ج ۱، ص ۲۵۱،الفصل السابع والعشرون فی مذاهب الشيعة فی حكم الإمامة)

ترجمہ:اور جہاں تک ''امامیہ'' کا تعلق ہے،تو انہوں نے امامت کو علی رضی سے ان کے بیٹے حسن کی طرف چلایا ہے،وصیت کے ذریعہ،پھر ان کے بھائی حسن کی طرف،پھر ان کے بیٹے علی زین العابدین کی طرف،پھر ان کے بیٹے محمد باقر کی طرف،پھر ان کے بیٹے جعفر صادق کی طرف۔اور یہاں سے ان کے دوفرقے ہوگئے،ایک فرقہ نے امامت کو ان کے بیٹے اسماعیل کی طرف چلایا،اور وہ ان کو ہی اپنا معروف امام سمجھتے ہیں،اور وہ اسماعیلیہ ہیں،اور ایک فرقہ نے امامت کو ان کے بیٹے موسیٰ کاظم کی طرف چلایا،اور وہ اثنا عشریہ ہیں،کیونکہ وہ بارہ ائمہ پر توقف اختیار کرتے ہیں (تاریخ ابنِ خلدون)

اس کے بعد ابنِ خلدون نے فرمایا کہ:

وأما الاثنا عشرية فربما خصوا باسم الإمامية عند المتأخرين منهم فقالوا بإمامة موسی الكاظم (تاريخ ابن خلدون، ج ۱، ص ۲۵۲،الفصل السابع والعشرون فی مذاهب الشيعة فی حكم الإمامة)

ترجمہ:اور جہاں تک اثنا عشریہ کا تعلق ہے،تو بسا اوقات ان کو ان امامیہ کے متاخرین کی طرف سے ''امامیہ'' کے نام سے مختص کیا جاتا ہے،جو موسیٰ کاظم کی امامت کے قائل ہیں (تاریخ ابنِ خلدون)

بلکہ ابنِ خلدون نے تو اپنی مذکورہ تالیف میں یہ بھی فرمایا ہے کہ شیعہ تفضیلیہ،رافضہ وامامیہ میں بعد کے زمانوں میں اور بھی چیزیں پیدا ہوگئیں،اور بکثرت تالیفات ہوئیں،اور پھر اسماعیلیہ پیدا

ہوئے، جنہوں نے حلولیت کی ایک نوعیت کی بنیاد پر امام کی الوہیت کا دعویٰ کیا، اور بعض نے تناسخ کی بنیاد پر فوت شدہ ائمہ کی رجعت کا قول کیا، اور بعض نے فوت شدہ کا انتظار کیا، اور بعض نے کسی اور چیز کا دعویٰ کیا، پھر بعض صوفیہ میں مخصوص کشف، اور قطب وابدال کا رواج ہوا، جنہوں نے اس قسم کے افکار کی امامیہ رافضہ کے ساتھ شرکت کردی، اور انہوں نے رافضہ کے اقوال کو لے کر دین میں غلو کیا، اور اس طرح کے خیالات وافکار سے اسماعیلیہ اور متاخرین صوفیہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ [1]

یہ ملحوظ رہے کہ اثنا عشریہ تناسخ کی بنیاد پر رجعت کے قائل نہیں۔

چنانچہ شیخ صدوق (المتوفیٰ: 381ھ) ”الاعتقادات فی دین الامامیة“ میں لکھتے ہیں:

والقول بالتناسخ باطل ومن دان بالتناسخ فهو كافر، لأن فى التناسخ إبطال الجنة والنار (الاعتقادات فی دین الامامیة، ص ٦٣، باب الاعتقاد فی الرجعة، سنة الطبع ١٤١٤ھ، مطبوعة: دار المفید، بیروت لبنان)

ترجمہ: اور تناسخ کا قول باطل ہے، اور جو شخص تناسخ کا عقیدہ رکھے، تو وہ کافر

---

[1] وكان كلام الإمامية والرافضة من الشيعة فى تفضيل على رضى الله عنه والقول بإمامته وادعاء الوصية له بذلك من النبى صلى الله عليه وسلم، والتبرى من الشيخين كما ذكرناه فى مذاهبهم ثم حدث فيهم بعد ذلك القول بالإمام المعصوم وكثرت التآليف فى مذاهبهم .وجاء الإسماعيلية منهم يدعون الوهية الإمام بنوع من الحلول وآخرون يدعون رجعة من مات من الأئمة بنوع التناسخ، وآخرون منتظرون مجىء من يقطع بموته منهم وآخرون منتظرون عود الأمر فى أهل البيت مستدلين على ذلك بما قدمناه من الأحاديث فى المهدى وغيرها .ثم حدث أيضا عند المتأخرين من الصوفية الكلام فى الكشف وفيما وراء الحس وظهر من كثير منهم القول على الإطلاق بالحلول والوحدة فشاركوا فيها الإمامية والرافضة لقولهم بألوهية الأئمة وحلول الإله فيهم.وظهر منهم أيضا القول بالقطب والإبدال وكأنه يحاكى مذهب الرافضة فى الإمام والنقباء .وأشربوا أقوال الشيعة وتوغلوا فى الديانة بمذاهبهم، حتى جعلوا مستند طريقهم فى لبس الخرقة أن عليا رضى الله عنه ألبسها الحسن البصرى وأخذ عليه العهد بالتزام الطريقة .واتصل ذلك عنهم بالجنيد من شيوخهم .ولا يعلم هذا عن على من وجه صحيح .ولم تكن هذه الطريقة خاصة بعلى كرم الله وجهه بل الصحابة كلهم أسوة فى طريق الهدى وفى تخصيص هذا بعلى دونهم رائحة من التشيع قوية يفهم منها ومن غيرها من القوم دخلهم فى التشيع وانخراطهم فى سلكه .وظهر منهم أيضا القول بالقطب وامتلأت كتب الإسماعيلية من الرافضة وكتب المتأخرين من المتصوفة بمثل ذلك فى الفاطمى المنتظر .وكان بعضهم يمليه على بعض ويلقنه بعضهم عن بعض وكأنه مبنى على أصول واهية من الفريقين وربما يستدل بعضهم بكلام المنجمين فى القرانات وهو من نوع الكلام فى الملاحم ويأتى الكلام عليها فى الباب الذى يلى هذا(تاريخ ابن خلدون، ج ١، ص ٤٠٣، الفصل الثالث والخمسون فى أمر الفاطمى وما يذهب إليه الناس فى شأنه وكشف الغطاء عن ذلك)

ہے، کیونکہ تناسخ میں، جنت اور جہنم کو باطل کرنا پایا جاتا ہے (الاعتقادات)

اور ابنِ خلدون نے اپنی اسی مندرجہ بالا تالیف میں ایک مقام پر یہ بھی فرمایا کہ:

”پھر شیعہ کا اختلاف ہوگیا، اور ان کے مذاہب میں افتراق ہوگیا، جن میں سابیہ بھی ہیں، اور زیدیہ بھی ہیں، جو کہ جمہور شیعہ ہیں، اور یہ انحراف، اور غلو سے بعید تر ہیں“ [1]

جبکہ سلفی صاحب جملہ اہلِ تشیع کی تکفیر کے درپے ہیں۔

اس کے بعد ناصر بن عبد اللہ بن علی القفاری نے مندرجہ بالا عبارت میں چھٹا حوالہ ”صاحبِ مختصر تحفة الاثنی عشرية“ کا ذکر کیا ہے، لیکن خود مذکورہ مولف نے اثنا عشریہ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے، اس کو ملاحظہ کر کے سلفی صاحب کے کہیں غصہ میں اس قدر اضافہ نہ ہوجائے کہ وہ مزید الزام تراشیوں پر اتر آئیں، اس لئے ہم اس حوالہ کو ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چند صفحات کے بعد تحفۂ اثنا عشریہ کے بعد نقل کریں گے۔

اس کے بعد ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے مندرجہ بالا عبارت میں ساتواں حوالہ شیخ زاہد کوثری کا ذکر کیا ہے، جس میں امامیہ کے نام سے اثنا عشریہ کے معروف ہوجانے کا ذکر کیا ہے۔

اور پھر اس کے بعد ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے آٹھواں حوالہ معاصر شیعہ **کاشف الغطاء** کا امامیہ کے اطلاق کا اثنا عشری کے لئے مستعمل ہونے کا نقل کیا ہے۔

اور اس کے بعد ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے نواں حوالہ دوسرے شیعہ کے امامیہ کے مختلف فرقے ہونے کا ذکر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی حوالہ بھی ہمارے موقف کے خلاف نہیں، ان میں تھوڑے بہت اختلاف کے باوجود امامیہ کے مختلف فرقوں کو تسلیم کیا گیا ہے، البتہ متعدد متاخرین نے بعد میں امامیہ

---

[1] ثم اختلف الشيعة وافترقت مذاهبهم فى مصير الإمامة إلى العلوية وذهبوا طرائق قددا، فمنهم الإمامية القائلون بوصية النبى صلى الله عليه وسلم لعلى بالإمامة، ويسمونه الوصى بذلک، ويتبرء ون من الشيخين لما منعوه حقه بزعمهم، وخاصموا زيدا بذلک حين دعا بالكوفة .ومن لم يتبرأ من الشيخين رفضوه فسموا بذلک رافضة .ومنهم الزيدية القائلون بإمامة بنى فاطمة لفضل على وبنيه على سائر الصحابة، وعلى شروط يشترطونها، وإمامة الشيخين عندهم صحيحة وإن كان على أفضل، وهذا مذهب زيد واتباعه، وهم جمهور الشيعة وأبعدهم عن الانحراف والغلو (تاريخ ابن خلدون، ج۴، ص ٦ ،أخبار الدولة العلوية المزاحمة لدولة بنى العباس)

www.idaraghufran.org

کی شہرت ''اثنا عشریہ'' کے ساتھ ہو جانے سے کی ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس شہرت سے ''امامیہ'' کے مختلف فرقوں، اور ان کے مابین عقائد وافکار کے اختلاف کی نفی ہرگز لازم نہیں آتی، جو ایسا سمجھتا ہے، یہ اس کی سراسر کم علمی و کم فہمی ہے۔

اور ہمیں اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کہ امامیہ کے کون کون سے فرقے اب موجود ہیں، اور کونسے ختم، یا کم ہو چکے ہیں، بلکہ اصل بحث اس سے ہے کہ امامیہ کے نام اور حوالہ سے، جس گمراہ اور باعثِ کفر عقیدہ کا جہاں بھی ذکر ملتا ہے، اس کو اثنا عشریہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، جبکہ وہ اثنا عشریہ کے علاوہ کسی دوسرے امامی کا ہوتا ہے، اور پھر اس کے ساتھ امامیہ سے اثنا عشریہ مراد ہونے کے حوالہ جات سے اثنا عشری کی علی الاطلاق تکفیری مہم کی باقی ضرورت پوری کر لی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے مندرجہ بالا کتاب ''أصول مذهب الشعية الإمامية'' میں چند صفحات کے بعد یہ فرمایا کہ اثنا عشریہ کی اصطلاح ہمیں متقدمین کی فرقوں اور مقالات سے متعلق کتابوں میں دستیاب نہیں ہوئی، اس کا نہ تو قمی نے ذکر کیا، نہ ہی نوبختی نے ذکر کیا، اور نہ اشعری نے ''مقالات الاسلامیین میں ذکر کیا، اور غالباً اس کا سب سے پہلے مسعودی نے ذکر کیا ہے۔ [1]

پھر ایک صفحہ کے بعد ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری نے لکھا کہ:

ذهب جمع من العلماء إلى إطلاق اسم الرافضة على الاثنى عشرية كالأشعرى فى المقالات (انظر: مقالات الإسلاميين .1/88 :)، وابن حزم فى الفصل (الفصل .4/157-158:)(أصول مذهب الشعية الإمامية الإثنى عشرية عرض ونقد، ج ۱، ص ۱۰۹، الرافضة)

---

[1] الاثنا عشرية: هذا المصطلح لا نجده فى كتب الفرق والمقالات المتقدمة، فلم يذكره القمى (ت 299ه أو 301ه) فى "المقالات والفرق"، ولا النوبختى (ت 310ه) فى "فرق الشيعة"، ولا الأشعرى (ت330ه) فى "مقالات الإسلاميين ."ولعل أول من ذكره المسعودى (التنبيه والإشراف :ص .198) .(ت349ه)- (من الشيعة .(أما من غير الشيعة فلعله عبد القاهر البغدادى (ت 429ه) حيث ذكر أنهم سموا بالاثنى عشرية لدعواهم أن الإمام المنتظر هو الثانى عشر من نسبه إلى على بن أبى طالب -رضى الله عنه "- (الفرق بين الفرق :ص.64)(أصول مذهب الشعية الإمامية الإثنى عشرية عرض ونقد، ج ۱، ص ۱۰۶، الامامية)

ترجمہ: علماء کی ایک جماعت رافضہ کے نام اثنیٰ عشریہ پر اطلاق کئے جانے کی طرف گئی ہے، جیسا کہ اشعری نے مقالات میں اطلاق کیا ہے(ملاحظہ ہو: مقالات الاسلامیین، ج۱،ص ۸۸' اور ابنِ حزم کی'' الفصل'' ج۴،ص ۱۵۷، و۱۵۸) (اصول مذہب الشیعہ)

مندرجہ بالا عبارت میں ابوالحسن اشعری کے مقالات کی طرف رافضہ کے نام کے اثنیٰ عشریہ پر اطلاق کئے جانے کا حکم لگایا گیا، اور اس سے پہلی عبارت میں ابوالحسن اشعری کے مقالات ہی کی طرف یہ کہہ کر حکم لگایا گیا کہ اثنیٰ عشریہ کی اصطلاح کا متقدمین کی کتبِ فرق اور مقالات میں ذکر نہیں ملتا، جیسا کہ اشعری کے مقالات میں۔

اس طرح کے تضادات کی مذکورہ کتاب میں کمی نہیں، جن کو ہم نے ملاحظہ کیا ہے۔

ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری کی مذکورہ بالا آخری عبارت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ امام اشعری، اور ابنِ حزم کی مذکورہ کتب میں'' رافضہ'' کا اطلاق'' اثنا عشریہ'' پر کیا گیا ہے، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک'' رافضہ'' ہی دراصل'' اثنا عشریہ'' ہیں، لہٰذا'' جملہ رافضہ'' کے حوالہ سے ذکر کئے گئے ہر قسم کے عقائد وافکار کی نسبت'' اثنا عشریہ'' کی طرف کی جانی چاہیے۔

لیکن یہ بات مذکورہ حضرات کی ان کتب میں موجود نہیں'' ومن ادعیٰ فعلیه البیان بالبرھان''

ابوالحسن اشعری کے چند حوالہ جات تو آگے آتے ہیں، اور علامہ ابنِ حزم کے موقف پر تفصیلی کلام ہم نے اپنے دوسرے مضمون'' اہلِ تشیع کی تحقیق وتکفیر'' میں کر دیا ہے۔ اور علامہ ابنِ حزم ظاہری کے حوالہ سے امامت کے قائل روافض کے مسلمان ہونے کی تصریح پہلے گزر چکی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ حضرات نے رافضہ سے امامیہ کو مراد لیا ہے، اور رافضہ وامامیہ کے مختلف فرقوں کا ذکر کیا ہے، جن کے افکار ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف ہیں، اور اثنا عشریہ دراصل رافضہ کا ایک فرقہ ہے، اس فرقہ کے تفصیلی عقائد، خود اس فرقہ کے علماء نے مستقل کتابوں میں نقل کردئے ہیں۔ جس طرح شیعہ کے مختلف فرقے ہیں، اسی طرح امامیہ کے بھی بنیادی طور پر متعدد فرقے ہیں، وہ الگ بات ہے کہ کسی زمانہ میں امامیہ کا مشہور فرقہ کوئی مخصوص فرقہ کہلائے، لیکن اس شہرت

سے اصل بنیاد پر فرق نہیں پڑتا، اور ہر امامیہ کے نام سے کسی بھی عقیدہ کو جملہ امامیہ کی طرف منسوب کرنا درست قرار نہیں پاتا۔

اگر ہم ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری کی زیرِ بحث کتاب کے تضادات پر ایک ایک کرکے بحث کرنا، اور موصوف کے ''تشدد پر مشتمل سلفی'' خیالات کا ذکر شروع کردیں، تو بات بہت طویل ہوجائے گی، اس لئے ان سے اعراض کرتے ہوئے ہم اب اس سلسلہ میں سب سے پہلے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد وافکار کے ایک عظیم ترجمان ابوالحسن الاشعری (المتوفیٰ:324ھ) کی تصریح ذکر کرتے ہیں، جن کے بارے میں اہلُ السنۃ کی چند تصریحات ہم پہلے نقل کرچکے ہیں۔

ابوالحسن اشعری نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف ''**مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين**'' میں فرقِ باطلہ اور ''**اهل الاهواء واهل البدعة**'' روافض، خوارج، مرجئۃ، مجسمۃ، معتزلۃ وجہمیۃ اور ان کے نظریات وافکار پر مفصل کلام کیا ہے، اور اس میں شیعہ کے فرقوں کو ''زیدیہ، امامیہ، اور غالیہ'' کی طرف تقسیم فرمایا ہے۔

اس تالیف میں ابوالحسن اشعری نے ''امامیہ'' کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''رافضہ جو کہ دراصل امامیہ ہیں، ان کے سوائے ''کاملیہ'' کے چوبیس فرقے ہیں'' [1]

ابوالحسن اشعری نے امامیہ کے ان چوبیس فرقوں میں پہلا فرقہ ''قطعیہ'' کا ذکر کیا ہے، جو ''موسیٰ بن جعفر'' کی موت کا قائل، اور ''امامِ منتظر'' کا قائل ہے، اور اس فرقہ کو ''جمہور شیعہ'' کہا ہے۔

اور امامیہ کا دوسرا فرقہ ''کیسانیہ'' کا ذکر کیا ہے، جس کے گیارہ ذیلی فرقے بیان کئے ہیں۔ [2]

---

[1] وهم سوى الكاملية أربع وعشرون فرقة وهم يدعون الإمامية لقولهم بالنص على إمامة على بن أبى طالب(مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ج ا ،ص ٣٣،ذكر الاختلاف أمهات الفرق)

[2] فالفرقة الأولى منهم وهم القطعية وإنما سموا قطعية لأنهم قطعوا على موت موسى بن جعفر بن محمد بن على وهم جمهور الشيعة.يزعمون أن النبى صلى الله عليه وسلم نص على إمامة على بن أبى طالب واستخلفه بعده بعينه واسمه وأن عليا نص على إمامة ابنه الحسن بن على وأن الحسن بن على نص على إمامة أخيه الحسين بن على وأن الحسين بن على نص على إمامة ابنه على بن الحسين وأن على بن الحسين نص على إمامة ابنه محمد بن على وأن محمد بن على نص على إمامة ابنه جعفر بن محمد وأن جعفر بن محمد نص على إمامة ابنه موسى بن جعفر وأن موسى بن جعفر نص على إمامة ابنه على بن موسى وأن على بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بعض دوسرے حضرات نے ''فرقہ قطعیہ'' کو''اثنا عشریہ'' سے الگ فرقہ کہا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ابوالحسن اشعری کے مزید حوالہ جات ہم نے ''اہلِ تشیع کی تحقیق وتکفیر'' میں نقل کردیے ہیں۔

اور''خطیبِ ری'' امام فخرالدین رازی (المتوفی:606ھ) جو اشاعرہ کے عظیم ترجمان شمار ہوتے ہیں، وہ اپنی تالیف ''اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین'' میں فرماتے ہیں:

وهم أربع طوائف الزيدية الإمامية، الغلاة الكيسانية (اعتقادات فرق المسلمين والمشركين، ص ۵۲، الباب الثالث، الروافض)

ترجمہ: اور ان (شیعہ) کی چار جماعتیں ہیں، ایک زیدیہ، دوسرے امامیہ، تیسرے غلاۃ، چوتھے کیسانیہ (اعتقادات فرق المسلمین)

پھر''زیدیہ'' کے مختلف فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وأما الأمامية فهم فرق (ایضاً، ص ۵۳، الباب الثالث، الروافض)

ترجمہ: اور جہاں تک''امامیہ'' کا تعلق ہے، تو ان کے مختلف فرقے ہیں (اعتقادات فرق المسلمین)

پھر امام رازی نے''امامیہ'' کے تیرہ فرقوں کا ذکر فرمایا ہے، جن میں''اسماعیلیہ'' کو بھی شامل فرمایا ہے، اور تیرہواں فرقہ''اصحابِ انتظار'' کا ذکر کیا ہے، جس کے بعد امام رازی نے فرمایا:

وهذا الذى ذكرناه فى الإمامية قطرة من بحر لأن بعض الروافض قد صنف كتابا وذكر فيه ثلثا وسبعين فرقة من الإمامية (اعتقادات فرق المسلمين والمشركين، ص ۵۶، الباب الثالث، الروافض)

ترجمہ: اور امامیہ کے بارے میں جو ہم نے ذکر کیا، یہ سمندر کا ایک قطرہ ہے، کیونکہ بعض روافض نے کتاب تصنیف کی ہے، جس میں انہوں نے''امامیہ'' کے تہتر فرقوں کا ذکر کیا ہے (اعتقادات فرق المسلمین) (جاری ہے............)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

موسى نص على إمامة ابنه محمد بن على بن موسى وأن محمد بن على نص على إمامة ابنه على بن محمد بن على بن موسى وأن على بن محمد بن على بن موسى نص على إمامة ابنه الحسن بن على بن محمد بن على بن موسى وهو الذى كان بسامرا وأن الحسن بن على نص على إمامة ابنه محمد بن الحسن بن على وهو الغائب المنتظر عندهم الذى يدعون أنه يظهر فيملأ الأرض عدلا بعد أن ملئت ظلما وجورا.

والفرقة الثانية منهم وهم الكيسانية وهى إحدى عشرة فرقة (مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ج ۱، ص ۳۴، و۳۵، ذكر الاختلاف أمهات الفرق)

www.idaraghufran.org

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

تکرارِ جنازہ وانتقالِ میت کی تحقیق (قسط8)

حضرت سعید بن مسیّب سے مرسلاً روایت ہے کہ:

لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُضِعَ عَلٰى سَرِيْرِهٖ ، فَكَانَ النَّاسُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِ زُمَرًا زُمَرًا ، يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ وَيَخْرُجُوْنَ ، وَلَمْ يَؤُمَّهُمْ أَحَدٌ ، وَتُوُفِّيَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ ، وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(مُصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ۳۸۱۹۶،ما جاء فى وفاة النبى صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو آپ کے جسدِ اطہر کو آپ کی چارپائی پر رکھا گیا، پھر لوگ، داخل ہو کر الگ الگ نمازِ جنازہ پڑھتے تھے، اور باہر آجاتے تھے، اور کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمازِ جنازہ کی امامت نہیں کی، اور آپ کی وفات پیر کے دن ہوئی، اور منگل کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کی گئی (ابن ابی شیبہ)

حضرت عطاء، اور جعفر کے والد سے مروی روایات میں بھی اس طرح کا مضمون آیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: مُصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ۳۸۱۷۹، ورقم الحديث ۳۸۱۸۰،ما جاء فى وفاة النبى ﷺ)

اس قسم کی احادیث وروایات اور آثار کے پیشِ نظر جمہور امت کا اس بات پر اجماع ہے، اور کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی، لیکن جماعت کے بغیر پڑھی گئی۔[1]

اور جو بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی ہی نہیں گئی، بلکہ صرف دعاء پر اکتفاء کیا گیا، تو یہ بات احادیث وروایات کی رُو سے راجح نہیں۔

---

[1] وأما صلاة الناس عليه أفذاذا فمجتمع عليه عند أهل السير وجماعة أهل النقل لا يختلفون فيه(التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والأسانيد،لا بن عبد البر، ج۲۴،ص۳۹۷)

www.idaraghufran.org

محققین کے نزدیک صحیح وراجح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ باجماعت نہ پڑھنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ کی تعظیم واحترام کی وجہ سے کوئی آپ کی امامت نہ کرا سکا۔

یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کی فضیلت کی وجہ سے، اس کی ضرورت نہیں تھی، ورنہ تو اس وجہ کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے، اور آپ پر درود پڑھنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔

اور یہ وجہ بھی نہیں تھی کہ اس وقت تک کوئی امام نہیں تھا، کیونکہ اس وقت بھی فرائض میں نماز باجماعت کی امامت کا عمل جاری تھا، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت پر باقاعدہ بیعت کی جا چکی تھی۔

خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے، ہر شخص نے الگ الگ جنازہ پڑھا تھا، یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں نے بھی پڑھا تھا، اور اس طرح یہ نمازِ جنازہ کا تکرار اور تعدد تھا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سے زیادہ مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھے جانے کی دلیل ہے۔

لے واختلف هل صلى عليه فقيل لم يصل عليه أحد أصلا وإنما كان الناس يدخلون أرسالا يدعون وينصرفون واختلف هؤلاء فى علة ذلك فقيل لفضيلته فهو غنى عن الصلاة عليه وهذا ينكسر بغسله وقيل بل لأنه لم يكن هناك إمام وهذا غلط فإن إمامة الفرائض لم تتعطل ولأن بيعة أبى بكر كانت قبل دفنه وكان إمام الناس قبل الدفن. والصحيح الذى عليه الجمهور أنهم صلوا عليه فرادى فكان يدخل فوج يصلون فرادى ثم يخرجون ثم يدخل فوج آخر فيصلون كذلك ثم دخلت النساء بعد الرجال ثم الصبيان. وإنما أخروا دفنه صلى الله عليه وسلم من يوم الاثنين إلى ليلة الأربعاء أواخر نهار الثلاثاء للاشتغال بأمر البيعة ليكون لهم إمام يرجعون إلى قوله إن اختلفوا فى شىء من أمور تجهيزه ودفنه وينقادون لأمره لئلا يؤدى إلى النزاع واختلاف الكلمة وكان هذا أهم الأمور والله أعلم(المنهاج شرح مسلم ،للنووى، ج۷،ص۳۶، كتاب الجنائز)

قال الشافعى فى الأم ورواه عنه أيضا البيهقى وذلك لعظم أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بأبى هو وأمى وتنافسهم فيمن يتولى الصلاة عليه وصلوا عليه مرة بعد مرة (وقوله) أرسالا -بفتح الهمزة -أى متتابعين (وقوله) أفواجا أى يدخل فوج يصلون فرادى ثم فوج كذلك(المجموع شرح المهذب، ج۵، ص ۲۱۲، باب الصلاة على الميت)

(وتسن) الصلاة على الميت (جماعة) ، كما كان النبى -صلى الله عليه وسلم -يفعلها هو وأصحابه، واستمر الناس على ذلك فى جميع الأعصار، (إلا على النبى -صلى الله عليه وسلم -؛ فلا) ، أى :فلم يصلوا عليه (تعظيما له واحتراما)(مطالب أولى النهى فى شرح غاية المنتهى، ج۱،ص۸۷۵،فصل فى الصلاة على الميت)

وهذا الصنيع، وهو صلاتهم عليه فرادى لم يؤمهم أحد عليه، أمر مجمع عليه لا خلاف فيه.

وقد اختلف فى تعليله .فلو صح الحديث الذى أوردناه عن ابن مسعود لكان نصا فى ذلك، ويكون من باب التعبد الذى يعسر تعقل معناه .

وليس لأحد أن يقول :لأنه لم يكن لهم إمام، لأنا قد قدمنا أنهم إنما شرعوا فى تجهيزه عليه السلام بعد تمام بيعة أبى بكر رضى الله عنه وأرضاه.(البداية والنهاية، ج۵،ص۲۸۶، كيفية الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم)

اور چونکہ لوگوں نے اپنے اپنے طور پر یہ جنازہ حضرت ابوبکر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اجازت اور حکم سے پڑھا تھا، اس لیے یہ کہنا بھی راجح معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حقِ تقدم حاصل تھا، اس لیے ان سے پہلے جو نمازِ جنازہ لوگوں نے پڑھی، اس سے اصل فریضہ ساقط نہ ہوا، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ولی اور حقِ تقدم والے شخص کی اجازت سے دوسرے کا نمازِ جنازہ پڑھنا، اس کے حق کو ساقط کر دیتا ہے، جس کے بعد اس کو، یا کسی اور کو نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں رہتا، لیکن یہاں سب نے یکے بعد دیگرے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے تکرارِ جنازہ کا عمل اختیار کیا۔

اور عام قبر پر نمازِ جنازہ کو جائز قرار دینے والے اکثر و بیشتر حضرات نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود شریف کی شکل میں عمل کو مقرر فرما دیا گیا، جو دنیا کے کونے کونے، اور چپے چپے سے جاری وساری ہے۔

اسی وجہ سے جو حضرات تدفین کے بعد ایک مدت بعد تک قبر پر نمازِ جنازہ کے قائل ہیں، ان میں سے اکثر کے نزدیک بھی راجح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نمازِ جنازہ جائز نہیں، خواہ اس وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نمازِ جنازہ ابتداء سے ہی جائز نہیں، یا اس وجہ سے کہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ تک نمازِ جنازہ جائز ہونے کی مدت اب گزر چکی ہے۔

البتہ اقلِ قلیل حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بھی، تدفین کے بعد نمازِ جنازہ کو بغیر جماعت کے مخصوص شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] والصلاة على القبر مشروعة لمن لم يصل على الميت عند أكثر العلماء كما جاء ت بذلك الأحاديث الصحيحة، وهم متنازعون :إلى كم يصلى على القبر؟ وأحد القولين فى مذهب الشافعي وأحمد أنه يصلى عليه أبدا .واتفقوا على أن قبر النبى صلى الله عليه وسلم لا يصلى عليه كما لم يصل عليه أحد من المسلمين بعد أن دفن .فهذا لعلو قدره لا لخفضه عن غيره .فإنه قد شرع فى حقه من الصلاة والسلام عليه فى كل مكان ما هو أعظم من الصلاة عليه عند القبر، والصلاة عليه عند القبر يخاف فيها أن يتخذ قبره وثنا وعيدا(الرد على الإخنائى،لابنِ تيمية، ص ١٢٦ ،افتراء المعترض)

[2] أما الصلاة عليه بعد دفنه -صلى الله عليه وسلم -الصلاة المعهودة، فلم ينقل فعلها عن أحد من السلف والخلف، وقد حكى بعض الشافعية فى ذلك وجهًا ضعيفًا بناء على جواز الصلاة على الميت بعد الدفن لمن لم يصل عليه، لكنه بعيد جدًّا لتطابق المسلمين على عدم فعلها، ولإشعار الحديث بالمنع، وأما الدعاء عند قبره، فلم يزل السلف والخلف يفعلونه، ويتوسلون إلى الله تعالى بالدعاء هناك، وبه -صلى الله عليه وسلم -عند قبره وغيره من البقاع من غير منع، والله أعلم.واستدل بعض الفقهاء بعدم الصلاة على قبره -صلى الله عليه وسلم -على عدم الصلاة على القبر جملة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابۂ کرام اور لوگوں نے یکے بعد دیگرے جوق در جوق نمازِ جنازہ پڑھ لیا، تو پھر قبر مبارک پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی ضرورت بھی نہ رہی اور نہ ہی تکرارِ جنازہ کا ثبوت، قبر پر نمازِ جنازہ کے ثبوت پر موقوف رہا، بلکہ اس کے ثبوت کے لیے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث موجود ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وأجيبوا عن ذلك بأن قبر الرسول -صلى الله عليه وسلم -مخصوص عن هذا بما فهم من الحديث من النهى عن اتخاذ قبره صلى الله عليه وسلم مسجدًا، والله أعلم(العدة فى شرح العمدة فى أحاديث الأحكام، ج ٢، ص ٢٨٨، كتاب الجنائز، الحديث الثانى عشر)

وفيه جواز الصلاة على قبر غير الأنبياء ، عليهم الصلاة والسلام، أما قبورهم فلا، لخبر الصحيحين :لعن الله اليهود اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد(إرشاد السارى ، ج٢، ص ٣٨٠، باب الإذن بالجنازة)

والخامس :يصلى أبدا .هذا كله فى غير قبر النبى -صلى الله عليه وسلم -، ولا تجوز الصلاة على قبره -صلى الله عليه وسلم -على الأوجه الأربعة قطعا، ولا على الخامس على الصحيح .وقال أبو الوليد النيسابورى :يجوز فرادى، لا جماعة(روضة الطالبين وعمدة المفتين، ج٢، ص ١٣١، كتاب الجنائز)

فحصل من الحمالة ستى أوجه عند القائل فإن، قلنا بالأول :كانت تجوز الصلاة على قبر النبى -صلى الله عليه وسلم -إلى شهر وقد مضى، وإن قلنا :بالثانى فالرسول -صلى الله عليه وسلم -لا يبلى ولكنه قال :لا أترك فى قبرى .فلا تجوز الصلاة على قبره، وإن قلت بالثالث ففيه وجهان :أحدهما :لا تجوز الصلاة على قبره لما ذكرنا .والثانى :تجوز ولكن يصلون أفرادًا كما صلت الصحابة أفرادًا(بحر المذهب ،فى فروع المذهب الشافعى، ج٢، ص ٥٩٢، كتاب الجنائز، باب التكبير على الجنازة)

قوله :(وتصح على قبر غير نبى إلخ) أى على صاحبه، أى ولو بعد البلى والاندراس، ويسقط بها الفرض على المعتمد وظاهر إطلاقهم أنه لا فرق بين المقبرة المنبوشة وغيرها، وهو فى المنبوشة مشكل للعلم بنجاسة ما تحت الميت، فلعل المراد غير المنبوشة ع ش على م ر وذكر ق ل خلافه حيث قال :نعم لا يضر اتصال نجاسة به فى القبر لأنه كانفجاره، وهو لا يمنع صحة الصلاة عليه .قوله :(غير نبى) أما على قبر النبى فلا تصح، لقوله -عليه الصلاة والسلام :-لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد شرح المنهج؛ أى بصلاتهم إليها ودلالة هذا على المدعى إنما هى بطريق القياس؛ لأن اليهود والنصارى كانوا يصلون المكتوبة لقبور الأنبياء ، والمدعى هنا صلاة الجنازة فتقاس على المكتوبة التى ورد اللعن فيها(حاشية البجيرمى، ج٢، ص ٢٧٦، فصل فى الجنازة)

ولنا، ما روى أن النبى -صلى الله عليه وسلم -ذكر رجلا مات، فقال :فدلونى على قبره فأتى قبره، فصلى عليه. متفق عليه.وعن ابن عباس أنه مر مع النبى -صلى الله عليه وسلم -على قبر منبوذ، فأمهم وصلوا خلفه.

قال أحمد -رحمه الله :-ومن شك فى الصلاة على القبر يروى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -من ستة وجوه كلها حسان ولأنه من أهل الصلاة، فيسن له الصلاة على القبر، كالولى، وقبر النبى -صلى الله عليه وسلم -لا يصلى عليه؛ لأنه لا يصلى على القبر بعد شهر(المغنى لابن قدامة، ج٢، ص ٣٨٢، كتاب الجنائز)

قالوا :لو جاز ذلك لصلى على النبى صلى الله عليه وسلم من قدم بعد موته كمعاذ وغيره، قلنا :هذا حجة لأنه قد صلى عليه ثلاثة أيام، وإنما لم تجز على قبره لأنه قال عليه السلام :(لا تتخذوا قبرى مسجدا،فإن قالوا سقط فرض الصلاة فلا يصلى عليه كمن صلى مرة، قلنا :ينكر ممن صلى الظهر ثم أدرك جماعة، والأصل غير مسلم، ثم ذاك سقط الفرض بفعله حقيقة، وهاهنا سقط الفرض عنه حكما، فجاز أن يأتى بالعزيمة كالمسافر فى الرخص، لأن من رد السلام مرة لا يرد مرة أخرى، ومن لم يرد يجوز أن يرد -هذا كلام الشيخ أبى إسحاق بحروفه(الحاوى للفتاوى، ج ١، ص ٦٩، الفوائد الممتازة فى صلاة الجنازة)

عبرت کدہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام: قسط86 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ''سامری'' سے مکالمہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ہارون علیہ السلام سے باز پرس کرلی، اور بچھڑا پرستی کے معاملے سے متعلق سب لوگوں اور تمام ذمہ داروں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی، اور ثابت ہوگیا کہ اس سارے فتنے اور فساد کا بانی اور اصل ذمہ دار اور کرتا دھرتا ''سامری'' ہی ہے، تو اس کے بعد حضرت موسیٰ ''سامری'' کی طرف متوجہ ہوئے، اور غیظ وغضب بھرے انداز میں اس سے کہا کہ تیرا کیا معاملہ ہے اے سامری! تو نے یہ اتنا بڑا فتنہ اس قوم کے اندر برپا کیا، اور ان کو راہِ حق وہدایت سے پھسلا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور تو نے بچھڑا پرستی کے اس سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کیوں کیا؟

''سامری'' سے یہ سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کو سب کے سامنے رسوا کیا جائے، اور وہ اپنی گمراہی کا خود اعتراف کرلے، تاکہ اس سے واضح ہوجائے کہ اس کے بعد اس کو جو سزا دی گئی، وہ درست تھی اور وہ اسی کا مستحق اور اسی کے لائق تھا۔

سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ فَمَا خَطْبُکَ یٰسَامِرِیُّ (سورۃ طٰہٰ، رقم الآیۃ ۹۵)

یعنی ''موسیٰ نے کہا: اچھا تو سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟''۔

اس پر ''سامری'' نے جواب دیا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسرے لوگوں کو نظر نہ آئی، میں نے اس میں سے ایک مٹھی اٹھالی، اور جو مٹھی بھری تھی، وہ اس مجسمہ میں ڈال دی، جو میں نے چاندی سونے سے بنایا تھا، جس وقت بنی اسرائیل دریا عبور کر رہے تھے، اس وقت حضرت جبریل، بنی اسرائیل کی مدد کے لیے تشریف لائے تھے، وہ اس وقت گھوڑے پر سوار تھے، جب وہ خشکی میں پہنچے، تو سامری

نے دیکھا کہ ان کی سواری جہاں پاؤں رکھتی ہے، وہ جگہ سر سبز ہو جاتی ہے، تو اس نے سمجھ لیا کہ اس مٹی میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے، جو دوسری مٹیوں میں نہیں، اس وقت اس نے سواری کے پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی تھی، اور اس کو اپنے پاس محفوظ رکھا، اور جس وقت اس نے بچھڑے کو بنایا، تو اس مٹی کو بچھڑے کے منہ میں ڈال دیا، جس کے نتیجے میں اس میں سے آواز آنے لگی، اور یہ سب کچھ میرے اپنے دل و دماغ کا کیا دھرا ہے، اس جرم میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں بلکہ یہ میرے ہی نفس کی شرارت ہے۔ [1]

سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ (سورة طٰهٰ، رقم الآية ٩٦)

---

[1] بعض مفسرین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سامری نے یہ کیسے سمجھا کہ یہ حضرت جبریل ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ابتلاء کے لیے جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت جبریل کی رویت کرادی، یا بعض حضرات کے نزدیک جس وقت بنی اسرائیل کو دریا عبور کرایا گیا، اس وقت حضرت جبریل کی سواری کے پاؤں کے نیچے کی زمین، سامری کو سر سبز دکھائی دی، اس وقت اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ حضرت جبریل ہی ہو سکتے ہیں، جو اس وقت بنی اسرائیل کی مدد کے لیے تشریف لائے ہیں۔

بعض حضرات نے یہ بات بھی فرمائی ہے کہ جس زمانے میں فرعون، بنی اسرائیل بچوں کو قتل کرتا تھا، تو سامری کی ماں اسے کسی غار میں چھپا کر آ گئی تھی، تاکہ ذبح ہونے سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل سے اس کی پرورش کرائی، وہ اس کے پاس جاتے تھے، اور اسے اپنی انگلیاں چٹاتے تھے، ایک انگلی میں شہد، اور دوسری میں دودھ ہوتا تھا۔

لہٰذا وہ ان کی اس صورت کو پہچانتا تھا، جس میں وہ انسانی صورت اختیار کر کے تشریف لایا کرتے تھے، اسی صورت میں اس نے اس موقع پر بھی پہچان لیا۔ واللہ اعلم۔

قال يعني السامري بصرت بما لم يبصروا به فقبضت قبضة من أثر الرسول يعني من تراب حافر فرس جبريل فنبذتها يعني فقذفتها في فم العجل فخار .

فإن قلت كيف عرف السامري جبريل ورآه من بين سائر الناس .قلت ذكروا فيه وجهين.

أحدهما: أن أمه ولدته في السنة التي كان يقتل فيها البنون فوضعته في كهف حذرا عليه من القتل فبعث الله إليه جبريل ليربيه لما قضى الله على يديه من الفتنة .

الوجه الثاني: أنه لما نزل جبريل إلى موسى ليذهب به إلى الطور رآه السامري من بين سائر الناس، فلما رآه قال إن لهذا لشأنا فقبض القبضة من أصل تربة أثر موطئه، فلما سأله موسى قال قبضت قبضة من أثر الرسول إليك يوم جاء للميعاد .وقيل رآه يوم فلق البحر فأخذ القبضة وجعلها في عمامته لما يريد الله أن يظهره من الفتنة على يديه وهو قوله وكذلك سولت لي نفسي يعني زينت لي نفسي وقيل إنه من السؤال والمعنى أنه لم يدعني إلى فعلة غيري واتبعت فيه هواي(تفسير الخازن، ج٣ص ٢١١، سورة طٰهٰ)

یعنی ''وہ بولا کہ میں نے ایک ایسی چیز دیکھ لی تھی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی تھی، اس لیے
میں نے رسول کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی اٹھالی، اور اسے (بچھڑے میں) ڈال دیا،
اور میرے دل نے مجھے کچھ ایسا ہی سمجھایا''۔

مذکورہ بالا روایت میں ''وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی'' سے مراد حضرت جبریل ہیں، اور ان کے دیکھنے کے واقعہ میں تفسیری روایات وہی ہیں، جو اوپر گزریں کہ سامری نے حضرت جبریل کی سواری کے نشانِ قدم کا یہ اثر مشاہدہ کیا کہ جس جگہ قدم پڑتا، وہیں سبزہ فوراً نمودار ہو جاتا تھا، جس سے اس نے یہ استدلال کیا کہ اس میں مٹی میں آثارِ حیات ہیں۔ [1]

اسی تفسیر کو ''روح المعانی'' میں صحابہ و تابعین اور جمہور مفسرین سے منقول کہا ہے، اور اس میں آج کل لوگوں نے جو شبہات نکالے ہیں، ان سب کا جواب دیا ہے (کذا فی: معارف القرآن عثمانی) [2]

---

[1] قال بصرت بما لم يبصروا به أى رأيت جبريل حين جاء لهلاک فرعون فقبضت قبضة من أثر الرسول أى من أثر فرسه، وهذا هو المشهور عند كثير من المفسرين أو أكثرهم(تفسير ابنِ كثير، ج۵ص ۲۷۵، سورة طٰهٰ)

قال: بصرت بما لم يبصروا به، فقبضت قبضة من أثر الرسول، فنبذتها أى قال السامرى: رأيت جبريل حين جاء لهلاک فرعون على فرس، فأخذت قبضة من أثر فرسه– والقبضة: ملء الكف، والقبضة بأطراف الأصابع، وذلک الأثر لا يقع على جماد إلا صار حيا– فطرحتها فى الحلى المذابة المسبوكة على صورة العجل، فصنعت لهم تمثال إله، حينما رأيتهم يطلبون منک أن تجعل لهم إلها كآلهة المصريين عبدة الأصنام.

قال مجاهد: نبذ السامرى، أى ألقى ما كان فى يده على حلية بنى إسرائيل، فانسبک عجلا جسدا له خوار: وهو حفيف الريح فيه.

وكذلک سولت لى نفسى أى كما زينت لى نفسى السوء، زينت لى أيضا وحسنت هذا الفعل بمحض الهوى، أو حدثتنى نفسى، لا بإلهام إلهى أو ببرهان نقلى أو عقلى(التفسير المنير للزحيلى، ج۱۶ ص ۲۷۲، سورة طٰهٰ)

[2] وحاصل جوابه أن ما فعله إنما صدر عنه بمحض اتباع هوى النفس الأمارة بالسوء لا لشىء آخر من البرهان العقلى أو النقلى أو من الإلهام الإلهى .هذا ثم ما ذكر من تفسير الآية هو المأثور عن الصحابة والتابعين رضى الله تعالى عنهم وتبعهم جل أجلة المفسرين، وقال أبو مسلم الأصبهانى: ليس فى القرآن تصريح بهذا الذى ذكروه .

وهنا وجه آخر وهو أن يكون المراد بالرسول موسى عليه السلام وأثره سنته ورسمه الذى أمر به ودرج عليه فقد يقول الرجل: فلان يقفو أثر فلان ويقتص أثره إذا كان يمتثل رسمه(روح المعانى، ج۸ص ۵۶۳، سورة طٰهٰ)

www.idaraghufran.org

اور یہی تفسیر اکثر مفسرین سے منقول بھی ہے۔ ۱؎

۱؎ البتہ بعض دیگر مفسرین نے سب سے پہلے ”فقبضت قبضۃ من اثر الرسول “ کا یہ معنیٰ کیا کہ سامری نے کہا کہ ” فقبضت قبضۃ من اثر الرسول “یعنی” میں نے موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے کچھ حصہ اٹھایا، تو اسے پھینک دیا” و کذلک سولت لی نفسی “اور یہی میرے جی کو بھایا، اور” بصرت بما لم یبصروا بہ “ کا معنیٰ یہ ہے کہ جو میری سمجھ میں آیا، وہ دوسرے لوگ نہ دیکھ سکے۔
لیکن اکثر حضرات نے اس تفسیر کو راجح قرار نہیں دیا۔
چنانچہ تفسیر عثمانی میں ہے:

آیت کی جو تفسیر اوپر بیان ہوئی، صحابہ و تابعین اور علمائے مفسرین سے یہ ہی منقول ہے، بعض زائغین نے اس پر جو طعن کیے ہیں، اور آیت کی دوراز صواب تاویلیں کی ہیں، ان کا کافی جواب صاحب روح المعانی نے دیا ہے۔ یہاں اس قدر بسط کا موقع نہیں۔ من شآء فلیراجعہ (تفسیر عثمانی، سورہ طٰہٰ)

اور قصص الانبیاء میں ہے:

البتہ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس آیت کا سیاق وسباق اور قبول و عدم قبول حق کے متعلق، اس سلسلہ کی تمام آیاتِ قرآن کا اسلوب بیان، دونوں ہی ابو مسلم کی تفسیر کا قطعاً انکار کرتے، اور اس کو تاویلِ محض ظاہر کرتے ہیں، اس لیے کہ آیت زیر بحث کے جملہ ”بصرت بما لم یبصروا بہ “ میں بصارت سے ”بصارتِ عینیٰ“ کی جگہ ”بصیرتِ قلبی“ مراد لینا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی ”الرسول “ کہہ کر ان کو غائب کے قائم مقام بنانا، اور ”قبضت قبضۃ “ کے معنیٰ مٹھی بھر لینا کی بجائے، تھوڑا سا اتباع کر لینا، بیان کرنا، اور جملہ ”نبذتھا “ سے ترکِ اتباع مراد لینا، یہ سب علیٰحدہ علیٰحدہ جملہ کے اعتبار سے اگرچہ محاورات میں قابلِ تسلیم ہیں، لیکن پورے نظمِ کلام کے پیشِ نظر ابو مسلم کی تفسیر لچر تاویل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اور سیاق وسباق شہادت دے رہے ہیں کہ اس جگہ وہی معنیٰ راجح ہیں، جو جمہور کا مختار ہیں (قصص الانبیاء، ج۱ ص۳۷۸ ”حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام“ مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

طب وصحت

حکیم مفتی محمد ناصر

''حُلبةُ'' یعنی میتھی

میتھی ایک مشہور پودا ہے جسے سبزی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔اسے عربی میں ''حُلبةُ'' اور انگریزی میں **Fenugreek** کہا جاتا ہے۔اس کے تازہ پتوں کو پکا کر کھایا جاتا ہے اور اس کے بیج جو میتھی دانہ کہلاتے ہیں، انہیں مختلف بیماریوں مثلاً ذیابیطس کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا رنگ سبز اور بیجوں کا رنگ سرخی مائل زرد ہوتا ہے۔

میتھی کی افادیت سے متعلق بعض روایات بھی مشہور ہیں، مگر سند کے اعتبار سے محدثین نے ان میں سے بعض روایات کو ضعیف وکمزور قرار دیا ہے، لہٰذا میتھی کی افادیت اپنی جگہ، مگر ضعیف احادیث کی بنیاد پر میتھی کی افادیت سے متعلق مخصوص مضبوط عقائد بنالینا قابلِ اصلاح ہے۔

میتھی کے خواص کے ذکر سے پہلے، نشاندہی کے لئے میتھی سے متعلق بعض روایات نقل کی جاتی ہیں۔

میتھی سے متعلق سند کے اعتبار سے ایک شدید ضعیف روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری امت کو علم ہوجائے کہ اس کے لئے ''حُلبةُ'' (یعنی میتھی) میں کیا (فائدے) ہیں، تو وہ اسے خریدتے، اگرچہ سونے کے وزن کے ساتھ ہو (طبرانی)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس روایت کے ایک راوی سلیمان بن سلمہ خبائری کو متروک قرار دیا ہے، اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اس راوی کو کذاب یعنی جھوٹا قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] عن معاذ بن جبل، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو تعلم أمتي ما لها في الحلبة لاشتروها ولو بوزنها ذهبا (مسند الشاميين للطبرانى، رقم الحديث ۴۱۱، المعجم الكبير للطبرانى، ۱۸۷، المقاصد الحسنة للسخاوى، رقم الرواية ۹۱۰)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى وفيه سليمان بن سلمة الخبائرى وهو متروك (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۰۳۵، باب ما جاء فى الحلبة)

(المتروك) (والقسم الثانى من أقسام المردود، وهو ما يكون بسبب تهمة الراوى بالكذب هو المتروك) جعله قسما مستقلا، وسماه متروكا، لأن اتهام الراوى بالكذب مع تفرده لا يسوغ الحكم بالوضع (شرح شرح نخبة الفكر فى مصطلح أهل الأثر، لملا نور الدين أبو الحسن القارى الهروى الحنفي، ص ۴۵۳)

www.idaraghufran.org

میتھی سے متعلق ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے، اور اُن کے علاج کے لئے طبیب ومعالج کو طلب فرمایا، چنانچہ حارث بن کلدہ ثقفی طبیب نے آ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا معائنہ کیا، اور کہا کہ ان کے لئے میتھی کو تازہ عجوہ کھجور کے ساتھ جوش دیا جائے، اور اسی کا حریرہ انہیں دیا جائے، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ نسخہ استعمال کیا، اور انہیں شفاء ہوگئی۔ [1]

طبی فوائد وخواص

میتھی نہایت قوت بخش سبزی ہے، میتھی کی طرح کی اور بھی سبزیاں ہیں، اس لئے میتھی کی پہچان یہ ہے کہ اس کے پتے قدرے بیضوی اور پتلے ہوتے ہیں، اس کے پھول زرد رنگ کے اور خوشبو تیز ہوتی ہے، اور میتھی کے بیج سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں، میتھی کے پتوں کا ساگ بنایا جاتا ہے، اور اس کے بیج بطور دوا کے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مزاج کے اعتبار سے میتھی گرم خشک سبزی ہے۔

میتھی کا جوشاندہ

پانی میں جوش دینے کے بعد میتھی کا جوشاندہ حلق، سینہ اور شکم کو نرم کرتا ہے، پھیپھڑے کی بیماریوں، سانس کی تنگی، کھانسی اور خشکی کو دُور کرتا ہے،، اور سینے کے لیس دار بلغم کو تحلیل کر کے باہر نکالتا ہے، اور قوتِ باہ بڑھاتا ہے۔ اطباء کے نزدیک ریاح، بلغم، اور بواسیر کے لئے یہ جوشاندہ نہایت مجرب دواء ہے، آنتوں میں رُکے ہوئے مادے کو نیچے لاتا ہے، اور پیٹ کے پھوڑوں کے لئے بھی فائدہ مند ہے، اسی طرح ریاح کی وجہ سے ہونے والے پیٹ کے مروڑ میں میتھی کا پانی پینا فائدہ مند ہے۔

نیز میتھی کو اگر پانی میں جوش دے کر، اس پانی سے سر دھویا جائے، تو بالوں کی خشکی دُور ہوتی ہے۔

---

[1] عَن سعد: أنه مرض بمكة فعاده النبى صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسلَّم فقال: ادعوا له طبيبا فدعى له الحارث بن كلدة الثقفى فنظر إليه فقال: ليس عليه بأس فاتخذوا له فريقة بشىء من تمر عجوة وحلبة بطبخان فتحساها فبرأ (الطب النبوى لابى نعيم الاصفهانى، رقم الرواية ٣٦٠، ورقم الرواية ٣٦١، معرفة الصحابة لابى نعيم، ٢٠٧٣)

اخبارِ ادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

□...... 4/ 11/ 18/ 25/ رجبُ المرجب1444ھ بروز جمعہ متعلقہ مساجد میں وعظ ومسائل کے سلسلے حسبِ معمول ہوئے، 18/ رجب کو مسجدِ غفران میں مولانا محمد ریحان صاحب نے نمازِ جمعہ کی امامت وخطابت سرانجام دی۔

□...... 29جمادی الاخریٰ، اور 6/ 13/ 20/ اور 27/ رجبُ المرجب1444ھ، بروز اتوار مدیر صاحب کی اصلاحی مجالس صبح تقریباً ساڑھے دس بجے ادارہ غفران میں منعقد ہوتی رہیں، البتہ 20/ رجب کی اصلاحی مجلس میں مفتی محمد یونس صاحب نے خطاب کیا۔

□...... 7/ رجب بروز پیر، مفتی صاحب مدیر، اپنے ایک قدیم محبّ جناب زاہد صاحب کے یہاں عشائیہ پر مدعو تھے۔

□...... 15/ رجب بروز منگل، وفاق المدارس کے تحت ہونے والے حفظِ قرآن کے سالانہ امتحان میں ادارہ کے شعبہ حفظ سے فراغت پانے والے حفاظ طلبہ کا امتحان ہوا۔ اللہ تعالیٰ تمام حفاظ طلبہ کو دنیا آخرت میں قرآن مجید کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین۔

□...... 28/ رجب بروز اتوار، مولانا ساجد فاروقی صاحب (مدیر: جامعہ فاروق اعظم، جڑانوالہ، فیصل آباد) ادارہ تشریف لائے، مفتی صاحب مدیر سے ملاقات فرمائی۔

□...... تعمیرِ پاکستان سکول میں تعلیمی سال 2022-23 کے سالانہ امتحانات 19/ رجب (11/ فروری) تا یکم شعبان (22/ فروری) تک بحمداللہ بخیریت منعقد ہوئے۔

تعمیرِ پاکستان سکول

میں ابتدائی جماعتوں میں داخلے جاری ہیں

خواہشمند حضرات سکول کے دفتر میں رابطہ کر کے مزید معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

فون: 051-5780927